جلد ۱۰۶ دسمبر ۱۹۸۶ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۶ | دسمبر ۱۹۸۶ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ | عدد ۴

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کچھ مجبورانہ حالات ہیں کہ جن کو بیان کیا جائے تو پھر بھی دوسروں کی سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ ان کی وجہ سے میں بعض مشاغل کی انجام دہی سے بصد شرمساری قاصر رہتا ہوں۔ ایک آدمی جسے اول روز سے اپنے عقیدہ و مقصد کے لیے کئی کئی کام کرنے کی دھن رہی ہو اور کسی خارجی تحریک یا تحسین یا افادیت کے بغیر جس کے دل و دماغ کی قوتیں محض ایمان و ضمیر کے زیرِ اثر جادۂ فرض پر رواں دواں رہی ہوں اور اب بھی بڑی حد تک ہوں، وہ اگر عمر و صحت کے دَورِ رفتہ کے معیار و مقدار سے کام نہ کر پائے تو پھر بھی اتنا تو ہے کہ ایک آدمی کو اوسط درجے کا جتنا کام کرنا چاہیے اس سے کچھ زیادہ ہی کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے۔ تاہم درپیش حالات کے تحت میں نے سفر کرنے اور تقاریر کا سلسلہ ضرور چھوڑا ہے۔ کچھ عرصے تک میں منصورہ کی تربیت گاہوں میں کوئی نہ کوئی پروگرام لیتا رہا، مگر اب اس بارے میں بھی بات معذرت پر آگئی ہے۔ اس محرومی کو میں خود بہ شدت محسوس کرتا ہوں، مگر مجبورانہ حالات کا کیا علاج!

تاہم اس مرتبہ کی (وسط نومبر) تربیت گاہ میں جب سلطان احمد صاحب عاصم نعمانی ناظمِ تربیت گاہ نے بہ اصرار ایک پروگرام رکھ دیا تو میں نے اس استثنائی صورتِ فرمائش پر مناسب یہی سمجھا کہ امتثالِ امر ہو جائے۔ سو چند باتیں شرکائے تربیت گاہ سے کی گئیں۔ خیال ہوا کہ ان کو ترجمان کے ادارتی صفحات میں پیش کر دیا جائے تاکہ چھوٹے سے ہال میں جو آواز اٹھائی گئی تھی، وہ ذرا وسیع تر فضاؤں میں پھیل جائے۔

پہلی بات میں نے یہ کہی کہ آپ کا مرکزی اور بنیادی فریضہ دعوتِ حق ہے جس کے متعلق قرآن میں آیا کہ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران ۔ ۱۱۰) یعنی خیرِ امت اور امتِ وسط اور مرکزی گروہ ہونے کا اعزاز صرف اس امر پر منحصر ہے کہ آپ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ یعنی نیکی کو دوسروں تک پھیلائیں اور اسے غالب کرنے کی سعی کریں۔ اور بُرائی سے لوگوں کو بچنے کی اور اس کے اثر و تسلط کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ یہ دعوت بیج ہے پورے نظامِ اسلامی کا۔ اور یہ دعوت دورِ کش مکش سے بھی گزارتی ہے، ہجرت کی وادیاں بھی طے کراتی ہے، جنگ کے میدان میں بھی لے جاتی ہے تاکہ نیکی اور سچائی کے غلبے کی مزاحمت کرنے والی فاسد قوتوں کو تلوار کے زور سے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ گویا دعوت خود بھی ایک طرح کا جہاد ہے اور آگے یہ جہاد کے مختلف مراحل سے گزار کر کامل جہاد، یعنی قتال تک پہنچاتی ہے۔

دعوتِ حق کی ذمہ داری ہلکی اور آسان نہیں ہے۔ ہر قسم اور ہر سطح کے لوگوں تک، ان کی زبان اور ان کے مروج اسالیب کے مطابق اس کو پہنچانا اور ابلاغ کے جو جو بھی پاکیزہ ذرائع حاصل ہوں ان سے کام لینا ہے۔ یعنی دعوت بذریعہ صحافت، دعوت بذریعہ ادب، دعوت بذریعہ علوم، دعوت بذریعہ تعلیم، دعوت بذریعہ تصانیف، دعوت بذریعہ وسائلِ نشر و اشاعت، دعوت بذریعہ اجتماعات، دعوت بذریعہ مظاہرات، دعوت بذریعہ امورِ سیاسیہ، دعوت بہ دائرہ انتخابات، دعوت بہ حلقہ پارلیمان، غرضیکہ ہر سطح پر اور ہر وسیلے سے بھرپور کام کرنا مطلوبِ دین ہے۔

یہ سرسری ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تنبیہ و تاکید اتنے سخت انداز سے کی گئی ہے کہ یہ نہیں تو گویا کچھ بھی نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بروایت ترمذی قسم کھا کر فرمایا کہ "تم کو لازمی طور پر معروف کا حکم دینا ہوگا۔ اور لازمی طور پر منکر سے روکنا ہوگا، ورنہ ایسا ہونے کا شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تم پر سخت مصیبت نازل کرے، پھر تم اُسے پکارو اور تمہاری پکار نہ سُنی جائے"۔

جو لوگ اقامتِ دین میں دیر لگتے دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں اُن کو جاننا چاہیے کہ حصولِ مقصد کا دارومدار اس کے مقرر کردہ طریقِ سعیِ دعوت پر ہے۔ اگر آپ دعوت کو پھیلا کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو، جلد سے جلد متاثر کر لیں تو غلبۂ دین بھی جلد ہوگا۔ اگر آپ کی رفتارِ دعوت سست ہوگی تو

غلبۂ دین میں بھی دیر لگے گی۔ انتخابات میں بھی کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے تو دعوت کے متاثرین کی کثرت سے نکل سکتا ہے اور انقلاب بھی واقع ہو سکتا ہے تو عوامی قوت کے جمع ہونے سے واقع ہو سکتا ہے۔ ہم لوگ انتخابی اور پارلیمانی سرگرمیوں کو زندگی کے مختلف دائروں کی طرح اثر اندازی اور توسیعِ دعوت کا میدان سمجھتے ہیں۔ نقطۂ نظر ہمارا بھی یہی ہے کہ آخری عمل انقلابی ہوگا۔ بلکہ دعوت، اس کا پورا عمل اور اس کے جملہ مراحل سب کے سب انقلابی نوعیت کے ہیں۔

عرض کیا گیا کہ یہ بات بھی ذہن میں تازہ رکھیے کہ دعوتِ حق کا سب سے پہلا مخاطب داعی خود ہوتا ہے۔ اگر کوئی دعوت داعی کے اندر اتر کر اس کے تمام اقوال و افعال، لین دین، رشتوں اور دوستوں، دلچسپیوں اور عادلوں پر اثرانداز نہ ہو تو پھر وہ محض ایک ریاکارانہ وعظ ہے، جس کا کبھی گہرا اثر نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ آدمی کے لیے اوّلین دائرۂ کار اس کا گھر ہے۔ گھر کے لوگوں تک دعوت کو پہنچانا، اُن کو معروف کے لیے تاکید کرنا اور منکر سے روکنا بروئے قرآن بھی ضروری ہے اور حضورؐ کا اپنا اُسوہ بھی یہی ہے۔ داعی اگر اپنے گھر ہی میں وزن نہ پا سکے تو باہر زیادہ مشکل ہوگی۔ بعدازاں بہت سے دوسرے وسیع تر دائرے آتے ہیں۔

ایک بات یہ بھی بیان کی گئی کہ دعوت کے بہت سے طریقوں میں سب سے اہم چیز انسانی رابطہ ہے۔ آپ اگر لوگوں سے ملاقاتیں کریں، انھیں اپنے ہاں بلائیں، گھنٹہ دو گھنٹہ بات کریں۔ ذاتی مسئلوں سے عالمی مسئلوں تک مل کر غور کریں، اور کسی مناسب مرحلے پر دعوت کا مؤثر راستہ بنائیں تو یہ بہترین صورت ہے۔ محض چلتے چلتے بات کر دینا یا کوئی پمفلٹ پھینک جانا یا محض جلسوں میں اپنے اسٹیج سے حسبِ دل خواہ باتیں سُنا لینا اتنا زیادہ کارگر نہیں ہے۔ آپ لوگ تجربہ کے طور پر دو دو چار چار افراد کے وفد بنا کر ہفتے میں ایک دو بار آس پاس کے دیہات یا آبادیوں میں نکلیں، کبھی دیہی بستیوں کے درمیان یک روزہ، دو روزہ یا سہ روزہ کیمپ لگا کر چاروں طرف پارٹیاں روانہ کریں۔ اِن تجربوں سے آپ کو نئے راستے ملیں گے اور نیا اعتماد حاصل ہوگا۔

دوسرا مسئلہ ایک بھائی نے تحریکی خادم کی حیثیت سے ان کے سامنے یہ رکھا کہ بیت المال چاہے وہ دو چار، دس روپے تک ہی محدود ہو، کسی گاؤں یا تحصیل یا ضلع کا ہو یا صوبہ یا مرکز کا، یا خدائی

اور خدمتی کاموں کے لیے کوئی امانتی فنڈ آپ کی تحویل میں ہو تو اس کے بارے میں حد درجہ محتاط رہیں۔ کیونکہ اس کی نزاکت مالِ یتیم کی سی ہے۔ اس میں سے خرچ کریں تو بے جا طور پر اور غیر ضروری طور پر ایک پیسہ بھی زائد خرچ نہ ہونے دیں۔ اپنے مفاد کے لیے اس میں سے اپنے حق سے زیادہ نہ نچوڑیں۔ ایسی تنخواہیں اور ایسے مصارف نہ لیں جو اسلامی قواعد کے لحاظ سے حدِ جواز سے زیادہ ہوں — بیت المال کے معاوضوں کے بل پر اپنے عزیزوں کو فائدے نہ پہنچائیں۔ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو بھرتی نہ کریں، خود فیصلہ کرنے کے بجائے کسی انصاف پسند اور بے لحاظ بورڈ کو تقرریوں اور برطرفیوں پر مقرر کریں۔ جس مقصد سے کوئی آدمی لینا ہو، اس کے لیے درخواستیں طلب کیجیے اور قابلیت وصلاحیت و تجربہ اور تحریکی شعور و اخلاق جدھر زیادہ ہو اُدھر نگاہِ انتخاب اٹھائیے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند کو دائرہ استحقاقِ خلافت سے باہر رکھ کر جو درخشاں روایت قائم کی تھی اور جسے بعد میں امیر معاویہؓ نے یزید کو جانشین مقرر کر کے توڑا تھا۔ اس روایت کو آپ حضرت عمرؓ کی تقلید میں ازسرِنو قائم و مضبوط کیجیے۔ بیت المال کا ایک پیسہ بھی جو ناجائز طور پہ خرچ کیا گیا یا اعزہ پروری کے لیے استعمال کیا گیا۔ وہ خدانخواستہ کسی ذمہ دار شخص کو جہنم کی سیر کرا سکتا ہے۔ اسی ضمن میں بیت المال یا کسی نیک کام کے فنڈ کی ملکیتی اشیاء کے استعمال کا معاملہ ہے۔ اُدھر کے سامان اور سٹیشنری کو ذاتی استعمال میں لانا درست نہیں۔ گاڑی یا ٹیلیفون استعمال کرنا پڑے تو اُس کا معاوضہ ادا کریں۔ بیت المال کی کوئی چیز اگر ذاتی قبضے میں رکھی گئی ہو تو اس کا ذاتی اور گھریلو استعمال ہرگز نہ کریں۔ اگر بیت المال کے دفتر کا کمرہ آپ کے پاس ہو یا کوئی مکان یا کسی طرح کی فٹنگ تو ساری چیزوں کا استعمال بہترین اسلوب سے کریں۔ اور انہیں ہر نقصان سے بچائیں۔ لاپروائی سے خدائی امانت کا استعمال آخرت کے لیے باعثِ نقصان ہو سکتا ہے۔

خدارا اپنے آپ کو اس خطرے سے بچائیے اور اپنے ساتھیوں کو بھی باز رہنے میں مدد دیجیے۔

مالی معاملات میں ہمارے نقطۂ نظر پر بہت سا اثر ہمارے ماحول کا ہے اور اس کے چوطرفہ دباؤ کا مقابلہ کرتے کرتے ہم بار بار جب تھک ہار جاتے ہیں۔ اس صورت میں دنیا اور دولت اور معیارِ زندگی کی

کشش ہمیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے ۔ ہر آدمی کو کوٹھی چاہیے ، کار چاہیے ، قالین چاہئیں ، صوفے چاہئیں کراکری چاہیے ، شاندار لباس چاہیے ، جدید آسائشیں چاہئیں ، شاندار تقریبات چاہئیں — اور جماعت کے اندر کا ہر آدمی بھی ہزار پرہیز کے باوجود دوہرا دوہرا وقت صرف کرکے اور خاندان کے کئی افراد کی محنتیں جمع کرکے دن رات اپنے منصوبے کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے ، ورنہ بچوں کی تعلیم مشکل ہے ، ان کے رشتے لینا دینا مشکل ہے ۔ نتیجہ یہ کہ اوّل تو ذہنی مصروفیت تحریک سے زیادہ دوسری جانب ہے اور دوسرے یہ کہ آمدنیوں اور مصارف میں زیادہ سے زیادہ کے لیے جواز تلاش کرنے کا رجحان کام کرتا ہے ۔ اور تو اور بعض لوگ تنافس کی فضا پیدا کرنے کا باعث اس طرح بنتے ہیں کہ ایک نیا شغل اُٹھا دیتے ہیں ۔ بچوں کے کھیل کے نام سے قیمتی چیزیں لاکے محلے کے دوسرے بچوں کو بھی مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے والدین پر دباؤ ڈالیں ۔ بجائے اس کے کہ ہمارے بچے خاندان اور محلے بھر میں خدمت کے کاموں اور عمارتوں ، کیاریوں ، پھولوں ، نالیوں ، پانی اور بجلی کے تحفظ کی صفات لے کے اُٹھتے ، اُلٹا یوں لگتا ہے کہ وہ ایسے بچے ہیں جنھیں نہ والدین ، نہ مکتب ، نہ قریبی ماحول/معاشرے کے مقابلے میں کوئی برتر اطوار نہیں دے سکا ۔

ہمیں تو قرآن نے بھی فریبِ دُنیا سے بچنے اور دولت پرستی سے پرہیز کی تاکید تعلیم دی ہے اور حضور نبی اکرمؐ نے بھی سخت انتباہ دیئے ۔ قرآن و حدیث کے احکام آپ پڑھتے سُنتے ہیں ہی ۔ میں یہاں ایک ادیب کے خیالات بیان کرتا ہوں ، جو تحریکِ اسلامی کا سپاہی نہ تھا اور نہ دعوتِ حق کا علمبردار ، مگر بس ادب کے ذریعے سچائیاں سامنے لانے کا مشن رکھتا تھا ۔ وہ کہتا ہے کہ دُنیا پرستی اور سچا ادب ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے ۔ میں مرحوم ادیب سے دوستی کے باوجود کئی پہلوؤں سے اس سے اختلاف رکھتا ہوں ، مگر بعض باتوں کا قدردان ہوں جن میں سے ایک یہ ہے ۔ ذرا سُنیے ،

"آپ اپنے نفس میں خدا کو حاضر ناظر جان کر یا اپنے ضمیر کو گواہ بنا کر یہ فیصلہ کر لیں کہ آپ ادیب رہنا چاہتے ہیں کہ نہیں ؟ اور اگر ادیب رہنا چاہتے ہیں تو پھر اپنے زمانے کی سچائیوں کو بے نقاب کریں ۔ اور اپنے نفس اور معاشرے کے بدلے میں سچائی سے کام لیں ، خواہ اس کی کوئی بھی قیمت دینی پڑے ۔ ادب کی تخلیق لفظوں کی تجارت نہیں ہوتی — تخلیق ایک طرزِ زندگی ہے ۔ یہ ادیبوں ، درویشوں ، صوفیوں ، انقلابیوں اور پاگلوں کا

کام ہے۔ اس میں زر پرست، سماجی ریاکار، منافق، ناقص دیانت رکھنے والے معتمم شامل نہیں ہو سکتے۔"

"ادیب کے لیے ایک مخصوص معنوں میں تارک الدنیا ہونا لازمی ہے ــــ آپ ادیب بننے کی تمنا اور افسر بننے کی تمنا، اور کوٹھی اور کار کی تمنا اور بنک بیلنس کی تمنا، اور سب سے خوشگوار تعلقات رکھنے کی تمنا کو ایک سینے میں جمع نہیں کر سکتے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم معاشرے کو اپنی شرائط پر قبول کرنا چاہتے ہو، یا معاشرے کو اس کی شرائط پر ملنے کے لیے تیار ہو، معاشرہ تمہیں سب کچھ دینے کے لیے تیار رہے اور دے سکتا ہے، مگر اس کے لیے تمہیں اس کے شرط نامے پر دستخط کرنے ہوں گے۔"

"ادب کو میں نے کبھی صرف لکھنا لکھانا نہیں سمجھا، ادب ایک طرزِ حیات ہے اور اپنی تکمیل کے لیے صوفیوں جیسی ریاضتوں اور مجاہدوں کا طالب ہے۔ زندگی میں کامیابی کا راستہ، ادب کا راستہ نہیں ہے۔ یہ دو مختلف منزلیں ہیں اور دونوں کے راستے جدا جدا ہیں اور دونوں کے درمیان میں انتخاب کا مسئلہ ہے۔ بہت سے لوگوں نے ادب کو طرزِ حیات بنانے کے بجائے کاروبار بنایا اور اس میں کامیاب ہوئے۔ تم بھی ایسے ادیب بننا چاہو تو شوکت صدیقی جیسے لوگوں کی پیروی کرو۔"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آڈن کے الفاظ میں ادیب کو کوئی ایسا چھوٹا موٹا پیشہ اختیار کرنا چاہیے، جو اس کا زیادہ وقت نہ لے اور جس کے ذریعے وہ معاشرے میں عزت کی ایک متوسط زندگی گذار سکے۔ اسے نہ اتنا آرام ہو کہ سو جائے اور نہ اتنی تکلیف کہ سوچنا بھی مشکل ہو جائے۔"

اِن اقتباسات میں سے لکھنے اور ادب اور تخلیق کے الفاظ نکال کر تحریکِ اسلامی اور دعوتِ اسلامی کے الفاظ رکھ دیجیے، اور پھر اس معیار پر سوچیے کہ سچی رُوحِ خدا پرستی کے ساتھ آخرت کے لیے کام کرنے والے ہم لوگوں میں دولت اور دُنیا کے بارے میں ویسا احساسِ تقویٰ موجود ہے جیسا کہ ادیب کے ہاں پایا جاتا ہے؟ ہم لوگ ہر اُس چیز اور لذت کو حاصل کرنے کے درپے ہیں۔ اور ہر اُس رسم کو پورا کرنے میں لگے ہیں جو معاشرے میں رائج ہے۔ خون پسینہ ایک کر کے اور تحریک کا نقصان کر کے ہم

"دنیا" کا وہ پورا معیار حاصل نہیں کر سکتے، لہٰذا کچھ ناقابلِ عمل حسرتیں بھی ہمارے ذہنوں میں کنکھجوروں کی طرح اپنے ہزار پا گاڑے ہوئے ہیں۔ سادہ زندگی کی کوئی لکیر ہم اپنے لیے نہ کھینچ سکے کہ یہاں تک جا کر لازماً رُک جانا ہے۔ کچھ چیزوں اور رواجوں کے متعلق اپنے اُوپر یہ پابندی لگانا کہ ان کو ہمارے گھروں میں داخلہ نہیں مل سکتا۔ حتیٰ کہ مغرب کی ملحدانہ اور مادہ پرستانہ تہذیب جس سے ہماری اصل لڑائی ہے، اس کے شئون و اطوار بھی ہم تدریجاً قبول کر رہے ہیں۔ ہمارے لوگوں کو دیکھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ خدا کے یہ بندے کچھ ایسے بندے ہیں جنہوں نے ایک مقصدِ عظیم کے لیے اپنے آپ کو ایک صاف ستھری مگر درویشانہ زندگی میں محدود کر لیا ہے۔ "لا تنجبوا الدنیا" کی پکار روز ہماری مسجدوں میں بلند ہوتی ہے، مگر دُنیا کی کونسی چیز یا اس کی کون سی مقدار ہے جس کے لیے ہمارے دروازے بند ہوں۔ مسلمان کے پاس زیادہ دولت آتی ہے تو وہ اس کے اخراجات کو بڑھانے کے بجائے اس کے جذبۂ انفاق کو بڑھاتی ہے اور انفاق ہی دولت پرستی اور حبِ دین کا واحد علاج ہے۔

پھر میں نے یہ عرض کیا کہ:

اسلام کے لیے صحیح شعور اور پاک صاف ضمیر کے ساتھ کام کرتے ہوئے تنظیمی عہدوں کے بارے میں خبردار رہے۔ عہدوں کا حریص ہونا ایک مجرمانہ ذہن کا آئینہ دار ہے اور اس سے ذرا ہی کم درجہ اس وتیے کا ہے کہ آدمی کو جونہی کسی عہدے کے لیے بُلایا جائے فوراً اُدھر لپک جائے۔ گویا کہ حضرت پہلے سے منتظر بیٹھے تھے۔ اور مزید عہدے ملتے جائیں تو بصد شوق انہیں شرفِ قبولیت دیا جاتا رہے۔

تنظیمی اداروں کے دفتری نظاموں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر شعوری طور پر چند افراد ایک دوسرے کو عہدہ و مناصب اور صدارتوں اور نظامتوں کے لیے تجویز کرنے لگتے ہیں اور نیچے کے لوگ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ فلاں فلاں آدمی کو اہمیت دینی ہے۔

پھر اس بات سے بھی خبردار رہیے کہ عہدے کی ذرا سی قوت ہاتھ میں آتے ہی آدمی اُسے بے باکی

سے استعمال کرنے لگے۔ کسی کو اِدھر سے اُٹھا کر اُدھر پھینک دیا، کسی سے کوئی انتقام لے لیا، اور کبھی اپنے قریبی آدمی کے لیے جب چاہا جگہ پیدا کر لی۔ اگر کوئی اعتراض اُٹھائے یا تنقید کرے تو اُس کا گلا دبا دیا، یا جب کبھی اس کا کوئی مسئلہ سامنے آیا تو پھر سارا حساب لے لیا۔

یہ طریقے دُنیا دار لوگوں کے کاروباری اور ملازمانہ معاملات میں چلتے ہیں، مگر خدا پرستوں میں نہیں۔ آج وقت ہے کہ ہم بیت المال اور عہدوں کے متعلق ایسی کڑی روایات قائم کر دیں کہ بعد کی جس نسل کو ہم کام سونپیں وہ اُسے خراب تر کر دینے کے بجائے اور زیادہ بہتری اور پاکیزگی اور نیکی کی طرف لے جائے۔

پھر مختصراً ایک مسئلہ اور عرض کیا گیا۔

مَیں نے کہا کہ جس طرح میدانِ قتال میں زحفاً من القتال کسی شخص کے لیے پسپائی سخت ترین گناہ ہے اسی طرح دعوتِ حق پیش کرنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سیاسی اور تہذیبی کش مکش میں پسپائی نہایت معیوب اور تحریک کے لیے نقصان دہ ہے۔ جتنا مقام آپ علم، اخلاق، نظم وغیرہ میں حاصل کر چکے ہیں اس کو ضائع کر کے پیچھے چلے آنا نہایت مضر ہے۔ آپ کے اپنے ایمان وضمیر کے لیے بھی اور دوسرے ساتھیوں کے لیے بھی۔ ڈاڑھی نہ رکھنا اچھا نہیں، مگر رکھ کر منڈا دینا خود اپنے اُوپر، بچوں پر اور معاشرے پر دین کی تحقیر کا اثر ڈالنا ہے۔ نماز کے پابند آدمی کا تارکِ نماز ہو جانا، ایک عفیف الطبع فرد کا بدکاری کے اکھاڑے میں کود جانا دوہری بُرائی رکھتا ہے۔

آپ اپنے اُوپر نگاہ دل سے سوچیں کہ تحریک نے یا دینی شعور نے آپ کو ذہنی اور اخلاقی طور پر کس بلندی تک پہنچایا۔ اور پھر دیکھیں کہ پچھلے دس، بیس، تیس یا چالیس برس میں آپ بلند تر ہوتے چلے گئے یا کٹی ہوئی پتنگ کی طرح آہستہ آہستہ پستی کی طرف گرتے چلے گئے۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جنھوں نے بہت سے مسرفانہ طریقے چھوڑ کر سادہ گذر بسر اختیار کی اور زائد مال تحریک کو دینے لگے، مگر بعد میں اُن کی یہ کیفیت برقرار نہ رہی۔ ان کا رہن سہن اور خرچ اخراجات کا معیار بڑھتا چلا گیا اور رخ ئے انفاق کم ہوتی چلی گئی۔ بعض افراد ایسے دیکھے کہ انھوں نے مولانا مودودیؒ کی دی ہوئی تعلیمِ قرآن وحدیث کو پلّے باندھا اور موسیقی کا بہت شوق رکھنے کے باوجود اس سے کلیتہً مجتنب ہو گئے۔ مگر بعد میں وہی ہیں کہ گھنٹوں اُن کے گھروں میں موسیقی کا دریا بہتا رہتا ہے۔ پردے کے

معاملے میں بات چہرے کے پردے اور مکمل برقعے سے چلی اور مخالفانہ ماحول کی پروا نہ کرتے ہوئے پردہ داری کے اس شاندار معیار کو ہماری خواتین نے قائم کیا۔ بعد میں ماحول کا دباؤ جب بڑھنے لگا تو "چادر" کی بات چلی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب پسپائی کا آغاز ہوگیا ہے۔ پہلے پہل چادر اس طرح اوڑھی جانے لگی کہ تمام جسم ولباس اور زینتیں مخفی ہوجائیں۔ پھر وہی چادر سکڑتی دیکھی، اور شلوار کا ایک طرف کا پورا حصہ دکھائی دیتا۔ پھر شلوار کے دونوں حصے پورے سامنے آنے لگے۔ چہرے پر چادر کے پلوؤں کو پکڑ کر زیادہ اچھی طرح جوڑ لیا جاتا تھا۔ اب ان پلوؤں میں فاصلہ ہونے لگا۔ اسی طرح باقاعدہ قومی لباس مقرر ہوجانے کے باوجود بھی پتلون پہننے والوں کا شوق جا بجا نمودار ہوتا ہے۔ کئی عورتیں اپنی پانچ سات سالہ بلکہ دس بارہ سالہ بچیوں کو بھی سکرٹ اور سایہ پہنا کر گویا یہ حسرت پوری کرتی ہیں کہ ہمیں تو یہ نصیب نہ ہوا، اب ہم بچوں کو اس لباس میں سجا سنوار دیکھ کر اطمینان حاصل کریں گے۔ میں نے چھوٹی لڑکیوں کو پینٹ پہنتے ہوئے بھی دیکھا۔ کھڑے ہوکر کھانے اور چائے پینے کا فیشن مغرب سے آیا تو بجائے اس کے کہ ہم لوگ مضبوطی سے اس کے سامنے حائل ہوجاتے کہ کم از کم ہمارے گھروں میں اجنبیوں اور ملحدوں کا ایجاد کردہ یہ تہذیبی طریقہ جگہ نہ پا سکے گا، ہم نے اس کے فوائد گنوانے شروع کردیئے۔ حالانکہ نقصانات زیادہ ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی تو قائم ہی اس لیے ہوئی کہ ایک ایک دینی روایت، حکم، شعار، قدر کا تحفظ کرے۔ اگر خود جماعت ہی کے خیمے میں تہذیبِ نو کی چڑیلیں آگھسیں تو پھر ہمارا کیا فائدہ؟

یہ باتیں میں نے تصنع سے نہیں بلکہ دل کے تقاضے سے کہیں۔ یہ میرے ضمیر کی آواز تھیں، اگر کسی کو ناپسند ہوئی ہوں تو معذرت خواہ ہوں کہ ان کے احساسات کو کوئی تکلیف کیوں پہنچی۔ لیکن کسی کو ناگواری ہو یا خوشی، ہر حال میں مجھے ایسی باتیں کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اگر میں یہ نہ کرسکوں تو میرا بہ حیثیت مسلمان اور رکن جماعتِ اسلامی، خادمِ اسلام اور نگہدارِ تحریک ہونا کتنا بے معنی ہوگا۔

یہ مرحلہ جبکہ تنظیم آہستہ آہستہ اگلی نسل کی طرف منتقل ہو رہی ہے، اس میں ضروری انتباہات سامنے آنے چاہییں!

حکمتِ سیّد مودودیؒ

اسلامی تہذیب کا نصب العین اور اُس کی خصوصیات

(۱۱ ۱۱)

نصب العین کا سوال درحقیقت تصورِ حیات کے سوال سے ایک گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ہم دُنیوی زندگی کے متعلق جو تصور رکھتے ہیں، اور دُنیا میں اپنی حیثیت اور اپنے لیے دُنیا کی حیثیت کا جو نظریہ ہمارے ذہن میں ہے، وہی فطری طور پر زندگی کا ایک نصب العین پیدا کر دیتا ہے اور ہم اپنی تمام قوتیں اسی نصب العین کی تحقیق کی راہ میں صرف کرنے لگتے ہیں۔ اگر دُنیا کو ہم اپنے لیے ایک چراگاہ تصور کرتے ہیں اور ہمارے ذہن میں زندگی عبارت ہے ایک مہلت سے جو ہم کو کھانے پینے اور لذّاتِ دُنیا سے متمتع ہونے کے لیے ملی ہوئی ہے تو بلاشبہ یہ حیوانی تصور ہمارے نفس میں زندگی کا ایک حیوانی نصب العین راسخ کر دے گا۔ اور ہم تمام عمر اپنے لیے حسّی لذتوں کے سامان فراہم کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ بخلاف اس کے کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو پیدائشی مجرم اور فطری گنہگار سمجھا ہے، اور دُنیا کے متعلق ہمارا تصور یہ ہے کہ یہ کوئی عقوبت خانہ اور عذاب کا گھر ہے جہاں اس پیدائشی جرم کی سزا بھگتنے کے لیے ہم پھینک دیئے گئے ہیں، تو قدرتی طور پر یہ تصور ہمارے نفس میں اس عذاب سے رہائی حاصل کرنے کی خواہش پیدا کرے گا۔ اور اس بنیاد پر ہم نجات کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیں گے۔ لیکن اگر دُنیا کے متعلق ہمارا تصور چراگاہ اور دارالعذاب دونوں سے برتر ہو۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ہم اپنے آپ کو حیوان اور مجرم دونوں سے زیادہ ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہیں تو یقیناً ہمارے نفس کو مادّی لذّات کی طلب اور نجات کے حصول دونوں سے زیادہ بلند نصب العین کی تلاش ہوگی اور کسی پست اور ادنیٰ مطمحِ نظر پر ہماری نگاہ نہ ٹھیرے گی۔

اِس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر آپ دیکھیں گے کہ اسلام نے انسان کو خدا کا خلیفہ اور رُوئے زمین پر اس کا نائب قرار دیا ہے ——— اگر انسان رُوئے زمین پر خدا کا نائب ہے تو اُس کی زندگی کا نصب العین خدا کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کے حصول کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

(اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی)

تصحیح (بہ سلسلہ شمارہ اکتوبر)

ص ۳۶ پر کَلَمَتُہٗ کے بجائے کَلِمَتُہٗ ہونا چاہیے اور اَلْعُذْرَ الْبَتُوْل کو اَلْعُذْرَاءِ الْبَتُوْلِ ہونا چاہیے۔

ایک صاحب کا اعتراض ہے کہ "قرآن اور تاثیر قرآن — ایک معجزہ" جو عنوانِ مضمون ہے (اسعد گیلانی صاحب کا) "یہ قول قرآن کا نہیں" معلوم نہیں "معجزہ ہونا" یا "تاثیرِ قرآن" یا کچھ اور مراد ہے؟ مضمون نگار غور فرمالیں۔

میرے مضمون "شرک — ظلمِ عظیم" کے اندر:

ص ۱۰۰ و ۱۰۱

اَحْفَظِ کے بجائے اُحْفَظِ ——— تَتَجَاهَلَ کے بجائے تُجَاهَلَ

نَحَرِّفُ کے بجائے تَعَرَّفُ ——— مَا سْئَلِ کے بجائے فَاسْئَلِ

كَتَبَ اللّٰهُ کے بجائے كَتَبَهُ اللّٰهُ ——— جَفَّتِ الصُّحُفِ کے بجائے جَفَّتِ الصُّحُفُ

(جن صاحب نے توجہ دلائی اُن کا شکریہ)

——— مدیر ———

قرآن اور تاثیرِ قرآن ——— ایک معجزہ

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(۳)

ایک شخص سوید بن صامت تھا جس کے پاس حکمتِ لقمان کا صحیفہ تھا۔ حضورؐ نے اُسے دعوتِ اسلام پیش کی۔ اُس نے کہا آپ کے پاس بھی وہی کچھ ہے جو میرے پاس ہے۔ حضورؐ نے فرمایا بیان کرو۔ اُس نے کچھ عمدہ سے اشعار سُنا لیے اور پھر حضورؐ نے اُسے قرآن سُنایا۔ وہ شخص بلا تامل مسلمان ہو گیا۔

اُنہی دنوں یمن سے ایک شخص ضماد آزدی مکہ آیا جو مشہور جادوگر تھا۔ حضورؐ کے بارے میں حالات سُن کر اُس نے قریش سے کہا: "اگر تم کہو تو میں محمدؐ کا علاج کر سکتا ہوں"۔ چنانچہ وہ اسی نیت سے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "محمدؐ آؤ، میں تمہیں اپنے منتر سُناؤں"۔ حضورؐ نے فرمایا "پہلے تم مجھ سے سُن لو"۔ پھر حضورؐ نے اُسے قرآن سُنایا۔ ضماد نے کہا ایک بار اور سُنا دیجیے۔ حضورؐ نے پھر سُنایا۔ اُس نے ایک بار پھر سُننے کی فرمائش کی۔ حضورؐ نے پھر سُنایا۔ بالآخر وہ بول اُٹھا۔ "میں نے بہتیرے کاہن دیکھے ہیں، ساحر دیکھے، شاعر دیکھے ہیں لیکن ایسا کلام تو کسی سے بھی نہیں سُنا۔ یہ کلمات تو اتھاہ سمندر ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، ہاتھ بڑھایئے میں اسلام قبول کرتا ہوں"۔

قرآن کی تاثیر اور قلوب میں نفوذ کے لاتعداد واقعات ہیں۔ یہ کلام ہی ایسا ہے کہ اس میں

ایٹمی توانائی ہے۔ یہ دل و دماغ کے ریشے ریشے میں اُتر جاتا ہے اور اپنے مخاطب کو بے بس کر کے اپنا مطیع کر لیتا ہے۔

مدینہ کے مشہور سردار اسعد بن زرارہ حضور اکرمؐ کے مبلغ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تبلیغی سرگرمیوں سے پریشان ہو کر ان کا قصہ ختم کرنے کے لیے مسلح ہو کر گھر سے نکلے۔ انہوں نے آکر حضرت مصعبؓ سے چند قرآنی آیات سنیں اور اٹھ کر حضرت مصعبؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

ثمامہ بن اثال مشہور سردار کو آنحضرت اور مدینہ سے زیادہ کسی چیز سے بغض نہ تھا۔ وہ قید ہو کر آیا تو دورانِ قید روزانہ اُسے قرآنِ پاک سننے کا موقع ملا۔ رشد و ہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچتی رہی۔ جب حضورؐ نے از راہِ نوازش و کرم اُسے قید سے آزاد کر دیا تو وہ سیدھا کنوئیں پر گیا۔ غسل کیا اور پھر واپس آکر حضورؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہ دل و جان سے اسلام کا خادم بن گیا۔

مشہور شاعر خالد بن عقبہ قرآن سن کر بے ہوش ہو گیا اور اسی میں کھو کر رہ گیا۔ جب ذرا اس کی حالت سنبھلی تو وہ پکار اُٹھا:

"بخدا اس کلام میں عجیب شیرینی ہے، اس میں عجیب تر و تازگی ہے۔ اس کی جڑیں سیراب ہیں۔ اس کی شاخیں شیریں پھل سے لدی ہوئی ہیں اور بشر تو ایسا کلام کہہ ہی نہیں سکتا۔"

ایک چرواہا جو جنگل میں بکریاں چراتا تھا، آنے جانے والے مسلمان مسافروں سے قرآن سنتا تھا بالآخر جنگل میں مسلمان ہو کر اور گھر بار چھوڑ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس طرح قرآن نے اُسے بھیڑوں کے گلے سے نکال مجاہدین کے لشکر میں شامل کر دیا۔

عامری بہت مشہور شاعر تھا اور اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ اسلام قبول کیا تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے شعر سنانے کی فرمائش کی تو کہنے لگا۔

"امیر المومنین جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن عطا فرمایا ہے۔ اشعار میں مجھے کچھ مزا نہیں آتا۔"

حضرت عمرؓ نے خوش ہو کر اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

جنگ بدر میں جبیر بن مطعم گرفتار ہو کر آئے۔ اُنہوں نے مسجدِ نبوی میں حضورؐ کو قرآن پڑھتے سُنا۔
جب حضورؐ نے یہ آیات پڑھیں:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ (الطور-۳۵-۳۶)

ترجمہ: کیا وہ خود بخود وجود میں آگئے یا پیدا کیے گئے ہیں۔
کیا آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اُنہوں نے کی ہے۔ لیکن وہ یقین نہیں کرتے۔"

تو جبیر بن مطعم پر ان آیات کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ایسا ہی واقعہ حضرت عثمان بن مظعون کا ہے۔ وہ بھی قیدیوں میں تھے لیکن انہوں نے جب یہ آیات سُنیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

(النحل-۹)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے۔ اور بدکاری اور ظلم سے روکتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ شاید کہ تم نصیحت قبول کر لو۔"

جیسے ہی انہوں نے یہ آیات سُنیں۔ اس آیت نے اُن کی دُنیا بدل دی اور وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

مشہور شاعر لبید بن ربیعہ نے جس کا شمار اصحابِ معلقات میں ہوتا ہے، جب قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ کو کعبہ میں آویزاں دیکھا تو قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی خوبیٔ بیان سے اتنا متاثر ہوا کہ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔ چنانچہ وہ بلا تاخیر اسلام کے دائرے میں داخل ہو گیا۔

جب ابو طلحہ انصاری نے جب یہ آیت سُنی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

ترجمہ: "تم نیکی کا اصل درجہ نہیں پا سکتے جب تک اپنی محبوب چیز ہی اللہ کی راہ میں

نہ دو۔"

تو اُن کے پاس ایک عمدہ باغ تھا جو انہیں بہت پسند تھا۔ اُنہوں نے وہ باغ ہی اللہ کی راہ میں دے دیا۔

کون نہیں جانتا کہ قرآن نے ۳۶۰ بتوں کے پجاریوں کو توحید کے علمبردار بنا دیا۔ یتیموں اور بیواؤں کا مال اُڑا لینے والوں کو امین بنا دیا۔ خود سروں اور قانون شکنوں کو قانون کا مطیع فرمان بنا دیا۔ قاتلوں، جواریوں اور شرابیوں کو دیندار، خدا ترس اور پرہیزگار بنا دیا۔ اس حقیقت سے کون بے خبر ہے کہ اس قرآن کی آیات اگر بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے درباروں میں پڑھی جاتی تھیں تو انتقام اور غصّے کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی تھیں۔ دل خدا کے سامنے جھک جاتے اور آنکھیں آنسوؤں سے چھلکنے لگتی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مختلف انبیاء کرام کو معجزے دیئے گئے تھے جو ان کی حقانیت کی دلیل تھے۔ اسی طرح حضورؐ اکرم کو قرآن کا معجزہ دیا گیا تھا، جس کے سامنے سب ہی بے بس تھے۔ آج تک بھی کسی کو یہ جرأت نہیں ہے کہ کسی پہلو سے بھی قرآن سے آگے نکل سکے۔ اسی بات کو حضورؐ اکرم نے فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ:

"رسول اکرمؐ نے فرمایا انبیاء سابقین میں کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا، جسے معجزہ نہ دیا گیا ہو۔ اور لوگ اس پر ایمان لائے ہوں، لیکن جو چیز مجھے دی گئی ہے وہ اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ قرآن کریم جس کے سبب میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔" (مسلم شریف)

حضورؐ کا یہ معجزہ قرآن آفتاب کی طرح درخشاں اور تاباں ہے۔ یہ کلام حسین و جمیل و پرشوکت اوّل سے آخر تک ہے۔ اس میں کہیں جھول نہیں ہے۔ فصاحت و بلاغت اور معارف و حقائق کی بلندی یکساں ہے۔ اس کلام کو پڑھنے سے یہ ایک عظیم بادشاہ کا باجبروت حکم نامہ محسوس ہوتا ہے۔ ایک

اعرابی نے جب ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے سُنا:

قِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ - (ھود - ۴۴)

ترجمہ: "اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان تھم جا۔ پانی جذب کر دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا"

تو کہنے لگا کہ ان الفاظ میں جو شاہانہ شوکت ہے یہ صرف بادشاہِ کائنات کو ہی زیب دیتی ہے کہ وہ ایسا حکم جاری فرمائے۔ چنانچہ وہ اعرابی فوراً مسلمان ہو گیا۔

ایک ہی طرز کے مضامین کو بار بار دہرانا اور نئے سے نئے پیرائے میں بیان کر کے ان میں تازگی اور حُسن و خوبی پیدا کرنا یہ کسی انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔

قرآن میں انسانوں کو مسخر کرنے، مرعوب کرنے اور خدا کے سامنے جھکا دینے کی زبردست قوت پائی جاتی ہے۔ کافر قرآن کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے تھے اور بعض تو کانوں میں روئی ڈال کر رکھنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ سُننے کے بعد اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ قرآن کی اِس زبردست قوتِ تسخیر نے کفار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

پھر یہ قرآن انسانوں کو بدلنے اور بدل کر کچھ سے کچھ کر دینے کی بھی اپنے اندر حیرت انگیز قوت رکھتا تھا۔ گویا روحِ انسانی کو موم کی طرح پگھلا کر وہ انسان کو اندر سے کچھ سے کچھ بنا دیتا تھا۔ سب سے زبردست انقلاب تو وہ خود اپنے لانے والے میں لایا۔ جو اپنے آپ کو اُمّی کہتا اور جبریل امین سے بھی بہ اصرار اپنے حروف سے ناآشنا ہونے کا اظہار کرتا تھا۔ وہ علم کا سمندر بن گیا۔ جو مکّہ کا خاموش شہری تھا وہ ایک زبردست مبلّغ اور مقرر بن گیا۔ جو غارِ حرا کے گوشۂ تنہائی میں جا کر دن رات عبادت میں گزارتا تھا۔ اس نے انسانی بستیوں، مجلسوں، میلوں، بازاروں اور گلیوں کو تبلیغِ توحید سے جل تھل کر دیا۔ جہاں کہیں چند انسانوں کے جمع ہونے کا موقع ہوتا وہ وہاں پہنچ جاتا۔ جو انسان سارے علاقے میں محترم و مکرم تھا، اُسے لوگوں کے طعنے سُننے،

گالیاں برداشت کرنے، ظلم وستم کا مقابلہ کرنے اور الزامات و بہتانات کا سامنا کرنے کے لیے اِس قرآن نے میدان میں لا کھڑا کیا۔ جو خاموش، شہری لوگوں سے الگ تھلگ رہا کرتا تھا۔ اُس نے خدا کے وجود، آخرت کی زندگی اور حساب کتاب کے بارے میں بحثیں چھیڑ دیں۔ جو ایک معروف کامیاب تاجر تھا وہ تجارت سے ہٹ کر اللہ کے کام کی مصروفیات میں لگ گیا۔ اور یہ صرف حضورؐ اکرم کے ساتھ ہی ایسا نہیں ہوا، بلکہ جس جس انسان نے بھی اس کتاب کو برحق تسلیم کیا اور اس پر ایمان لایا تو اس کے روز و شب ہی بدل گئے۔ اس میں اتنی جرأت و ہمت پیدا ہو گئی کہ وہ بڑی سے بڑی مخالفت کا خندہ پیشانی سے اور بڑے سے بڑے ظلم کا صبر و سکون سے مقابلہ کر سکے۔ غرض اس کتاب نے انسانوں میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کرنی شروع کر دی۔ اس کے چند کلمات ہی انسانوں کو ہلا کر رکھ دیتے۔ یہ جس وجود میں سرایت کر جاتا اُسی وجود میں ایک دوسرا ہی انسان نمودار ہو جاتا۔ قرآن کی یہ قوتِ تسخیر اور قوتِ انقلاب ہی تھی، جس کا مقابلہ کسی کے بس میں نہ تھا۔ حضور اکرمؐ کا یہ قرآنی ہتھیار، عصاء موسیٰ، یدِ بیضا اور دمِ عیسیٰؑ ہر چیز سے بڑھ کر مؤثر تھا۔ اس کا مقابلہ انسانوں کے بس سے باہر تھا۔ قرآن ہی حضورؐ کا عظیم معجزہ تھا۔ اور یہی حضورؐ کا مؤثر ترین اسلحہ تھا۔ اپنے نزول کے وقت سے آج تک اس کتاب نے دُنیا میں جتنے انسانوں کی زندگیوں کو گمراہی سے راستی اور بے راہ روی سے خدا پرستی کی طرف موڑا ہے اتنا دُنیا کی اور کسی قوت نے اسلام نہیں پھیلایا۔ تنہا قرآن دُنیا میں اسلام کا سب سے بڑا مبلغ ہے۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں۔ ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)

اسلام میں اطاعتِ حکّام کی حدود و شروط

جنابِ ڈاکٹر محمد امین صاحب

(۲)

لوگوں کو معروف کا حکم دیں

ایک مسلمان حکمران کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے، معاشرے میں خیر اور نیکی کو پھیلائے اور برائی کا قلع قمع کرے۔ اگر وہ یہ کرے تو اس کی اطاعت ضروری ہے لیکن اگر وہ برائی پھیلائے، معصیت کا حکم دے اور فواحش و منکرات کی اشاعت کا سبب بنے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ امور بذاتِ خود معصیت ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ اللہ کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوتی۔ اور نہ کسی حاکم کی اطاعت معصیت میں کرنی چاہیے۔ صحیح مسلم میں ہے۔

"علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب و کرہ إلّا ان یؤمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة"۔[۱]

اور فرمایا:

"انما الطاعة فی المعروف"[۲]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱۲ ص ۲۲۶ طبع القاہرہ

[۲] صحیح مسلم " ص ۲۲۷ "

انہی معنوں کی ایک روایت امام بخاریؒ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا اور ایک انصاری کو اس کا سالار بنایا اور اہل سریہ سے کہا کہ اس کی اطاعت کرنا، ایک دفعہ ان انصاری سردار کو غصہ آیا تو انہوں نے کہا کیا نبی کریمؐ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ صحابہؓ نے کہا، دیا تھا۔ تو انہوں نے کہا لکڑیاں جمع کرکے آگ جلاؤ اور اس میں کود جاؤ تو صحابہؓ نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی لیکن وہ اس میں کودنے میں متردد ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا ہم نے آگ سے بچنے ہی کی خاطر تو آپ کی اطاعت کی تھی پھر اس میں داخل کیوں ہوں؟ اسی بحث ومناقشے میں آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ پھر جب واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعے کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ آگ میں گھس جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے، اطاعت تو صرف معروف میں ہے[1]

اسی طرح بخاریؒ ومسلمؒ دونوں نے حضرت عبادہ بن صامت کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"دعانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعناہ، فقال: فکان فیما اخذ علینا، ان بایعنا علی السمع والطاعۃ فی منشطنا ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ علینا وان لا ننازع الامر اھلہ، قال الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من اللہ فیہ برھان"[2]

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر حالت میں حاکم کی اطاعت کی جائے الا یہ کہ اس سے کفر صریح سرزد ہو، جس صورت میں عدم اطاعت کے لیے رعایا کے پاس واضح دلیل ہوگی۔ نیز حضرت علیؓ کی روایت سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ جہاں تک مباح امور کا تعلق ہے امیر کی اطاعت ضروری (یعنی صحابہ کرامؓ نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی) لیکن جہاں خلافِ شرع حکم دیا گیا (یعنی آگ میں کودنے کا حکم) وہیں سے امیر کی اطاعت ختم ہوگئی۔

امام رازیؒ نے آیت اُولی الامر کی تفسیر میں یہ بھی کہا ہے کہ امیر کی اطاعت واجب ہے اگر

---

[1] فتح الباری جلد ۱۸ ص ۱۴۱، ۷

[2] اللؤلؤ والمرجان رقم ۷: ۱۲۰۷، ص ۴۸۳، ۴۸۴

وہ حق وصواب کا حکم دے لیکن اگر وہ ظلم کا حکم دے تو اس صورت میں اس کی اطاعت واجب ہونے کے بجائے حرام ہوگی۔[۱]

اور حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول تو مشہور و معروف ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فیکم فان عصیت فلا طاعۃ لی علیکم"[۲]

یعنی میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں (ان کی اطاعت کے مطابق تمہیں حکم دوں) اور اگر میں ان کی نافرمانی کروں (یعنی میرا حکم خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف ہو) تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں۔

یہ چاروں شرطیں جو قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہؓ سے ثابت ہیں۔ اگر حکام میں پائی جائیں تو ان کی اطاعت واجب ہے اور جو ان شروط کی موجودگی میں مسلمان حکمران کی اطاعت سے انکار کرے وہ باغی اور قابل قتل ہے کیونکہ وہ مسلمان معاشرے میں فتنے، انتشار اور انارکی کا دروازہ کھولتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:

"انہ ستکون ھنات وھنات، فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان"[۳]

یعنی میرے بعد یوں اور یوں ہوگا، پھر جو کوئی امت میں تفرقہ ڈالے (اپنی امارت کا دعویٰ کرے) جب کہ وہ (پہلے سے ایک امیر پر) مجتمع ہو تو اس کی گردن ماردو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ہر حالت میں مطلق طور پر اطاعتِ حکام کا حکم

۱؎ مفاتیح الغیب جلد ۱ ص ۳۵۹

۲؎ ابن ہشام، سیرۃ جلد ۴ ص ۳۴۱

۳؎ صحیح مسلم بشرح النووی جلد ۱۲ ص ۲۴۱

دیا گیا ہے، جیسا کہ بعض مستشرقین کا خیال ہے[1] بلکہ یہ حکم اس امر سے مشروط ہے کہ وہ خدا اور رسول کے احکام کے خلاف نہ ہو، مسلمان حاکم کی طرف سے ہو جو انصاف پرور اور عادل ہو، شریعت پر عمل کرنے والا اور عمل کروانے والا ہو جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہو چکا، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو کیا کیا جائے؟ اس سلسلے میں جو مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں، اگر انہیں پیش نظر رکھا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ تین طرح کا موقف اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ایک صبر کا، دوسرے نصیحت کا اور تیسرے جدوجہد اور قتال کا۔ ہم ان تینوں مواقف پر مختصر روشنی ڈالیں گے۔

موقفِ صبر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من رای من امیرہ شیئاً یکرہ فلیصبر فانہ من فارق الجماعۃ شبراً فمات میتۃ الجاھلیۃ"[2]

یعنی جسے اپنے امیر میں کوئی ایسی بات نظر آئے جو اُسے ناپسند ہو تو اُسے چاہیئے کہ صبر کرے کیونکہ جو مسلمان کی جماعت سے الگ ہوا وہ گویا جاہلیت کی موت مرا۔
اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ:

"ان رجلاً من الانصار خلا برسول اللہ فقال: الا تستعملنی کما استعملت فلاناً؟ فقال: انکم ستلقون بعدی اثرۃ۔ فاصبروا

1- T ARNOLD, THE CALIPHATE P-47
D. B. MACDONALD, DEVELOPMENT OF MUSLIM THEOLOGY, JURISPRUDENCE AND CONSTITUTIONAL THEORY, PP—58-59-

۲ فتح الباری جلد ۱۸ ص ۱۴

حتی تلقونی علی الحوض“ [۱]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر اختلاف محض آراء کا ہو (اجتہادی امور ہوں یا سیاسی و معاشرتی و اجتماعی امور) ذاتی پسند ناپسند کا ہو تو حاکم سے ضد اور جھگڑا کرنے کے بجائے صبر سے کام لینا چاہیے، کیونکہ ایسی چھوٹی باتوں پر امت میں تفرقہ ڈالنا اور نزاع کا سبب بننا غیر ضروری ہے لہٰذا شرعاً غیر مطلوب ہے۔ ٭

موقفِ نصیحت

اگر کسی مسلم معاشرے میں حاکم الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل نہ کرے بلکہ اس کے برعکس حاکمِ وقت کی مرضی سے یا اس کی موجودگی میں حدود اللہ کو توڑا جا رہا ہو، منکرات و فواحش کا چرچا ہو، برائی غالب ہو اور نیکی دبی جا رہی ہو تو پھر صبر کا حکم نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ حاکم کو راستی کی نصیحت کرے۔ حضور ؐ نے فرمایا:

الدین النصیحۃ: قلنا لمن؟ قال للّٰہ ولکتابہ ولرسولہ و لائمۃ المسلمین وعامتھم“ [۲]

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین نصیحت ہے تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہؐ کس کے لیے نصیحت (خیر و خوبی چاہنا)؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے

---

[۱] مسلم کتاب الامارہ باب ”الامر بالصبر عند ظلم الولاۃ واستیثارھم“۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک انصاری صحابی نے تخلیے میں حضورؐ سے عہدہ و منصب عطا کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو تمہیں تمہارے حقوق نہ دیں گے تو اس وقت صبر سے کام لینا تا آنکہ مجھ سے حوض کوثر پر آملو۔

[۲] مسلم کتاب الایمان باب بیان ”ان الدین النصیحۃ“

٭ یا جہاں یہ اندیشہ ہو کہ موقفِ صبر چھوڑنے سے فتنہ و تفرقہ بڑھے گا، مگر اصلاح کی راہیں اور بھی بند ہو جائیں گی۔ (مدیر)

اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمان حکام کے لیے اور عامۃ الناس کے لیے۔

اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کی جو روایت ہم نے اُوپر نقل کی ہے، مسلم میں اس کے الفاظ یہ ہیں: وعلی ان لا ننازع الامر اهله وعلی ان نقول بالحق اینما کنا - لانخاف فی اللہ لومۃ لائم"[۱] یعنی ہم اپنے امراء سے نزاع نہ کریں گے لیکن حق بات ہر حالت میں کہیں گے اور اس میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا ——
" افضل الجهاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر"[۲] یعنی ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر حاکم کی ہاں میں ہاں ملانی ہو تو کسی جہاد کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ اس کی ضرورت اُس وقت پڑتی ہے جب اُس سے اختلافِ رائے ہو اور اُس کی مرضی کے خلاف حق بات اُس کے سامنے رکھی جائے۔ اِس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر حاکم کی رائے اسلامی متقضیات کے مطابق نہ ہو تو اس سے لازماً اختلاف کرنا چاہیے اور حق بات اس پر واضح کرنی چاہیے اور اس اختلافِ رائے اور احقاقِ حق کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد قرار دیا، گویا ایسا اختلاف اور اس کے لیے جدوجہد کرنے والا مجاہد کا درجہ رکھتا ہے (کیونکہ اس نے شدید خطروں کو انگیز کر کے اور ایک تشویشناک ماحول میں حق کی بات کہی!)

مندرجہ بالا تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حکام کا طرزِ عمل اسلامی احکام کے مطابق نہ ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں راستی کی نصیحت کریں اور خاموش ہو کر نہ رہ جائیں۔

موقفِ قتال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ "من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان"[۳] یعنی تم میں سے جو کوئی منکر کو دیکھے وہ اسے ہاتھ سے روک دے اور جو اس کی استطاعت نہ رکھے وہ زبان سے

---

[۱] مسلم کتاب الامارہ باب " وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمها فی المعصیۃ"

[۲] صحیح مسلم بشرح النووی جلد ۱۷ ص ۲۴۱

[۳] صحیح مسلم کتاب الایمان باب " بیان کون النهی عن المنکر من الایمان"

روکے اور جو اس کی بھی استطاعت نہ رکھے وہ اُسے دل میں بُرا سمجھ لے اور یہ کمزور ترین ایمان کی بات ہے۔

اسی طرح آپ نے فرمایا:

انصر اخاك ظالماً اَوْ مظلوماً [1]

یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اور مزید وضاحت کی کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ تم اُسے ظلم سے باز رکھو۔ اب اگر ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش ہو تو نہ صرف اس سے اختلاف رائے ہوگا بلکہ بات ضرب و تعزیر سے گزر کر مقابلے تک پہنچے گی۔ اسی طرح ترمذی نے حضرت ابوبکر سے یہ روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ان الناس اذا راوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشك ان یعمهم اللہ بعقاب من عندہ"۔ یعنی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ ان پر عذاب نازل فرما دے۔

اِن احادیث کا عموم اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے تاہم جہاں بھی ظلم و فسق اور جور و طغیان ہوگا ان کا وہیں اطلاق ہوگا اور امت کے سیاسی فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ اگر مسلم حاکم ظلم و جبر اور فسق و فجور سے کام لے تو اس کا عزل واجب ہے۔

تفتازانی نے امام شافعی سے روایت کی ہے "وعن الشافعی رحمہ اللہ ان الامام ینعزل بالفسق والجور۔ وکذا کل قاضٍ و امیر" [2] یعنی امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ حاکم اور فسق اور ظلم سے کام لے تو ہٹائے جانے کے لائق ہے اور اسی طرح ہر قاضی اور والی بھی"۔

امام شہرستانی کا کہنا ہے کہ "وان ظهر بعد ذالك جهل او جور او ضلال او کفر، انخلع منها او خلعناہ" [3] یعنی اگر حاکم سے جہالت، ظلم، گمراہی اور کفر کا صدور رہے تو اُسے خود حکومت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۳ ص ۹۸ طبع استنبول ۱۴۰۱ھ۔

[2] شرح العقائد النسفیہ ص ۱۴۵

[3] نہایۃ الاقدام ص ۴۹۶

سے دست بردار ہوجانا چاہیے، ورنہ ہم مسلمان، خود اُسے اُتار پھینکیں گے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا" ان السلطان الظالم علیہ ان یکف عن ولایتہ وھواما معزول، او واجب العزل۔ وھو علی التحقیق لیس بسلطان[1] یعنی ظالم حاکم حکومت کا اہل نہیں ہے، وہ برطرف کیے جانے کے لائق ہے اور کیا جانا چاہیے کیونکہ حقیقی لحاظ سے وہ حکومت کا اہل ہی نہیں ہے۔

یہ اور ایسے دوسرے بہت سے اقوال علماء سے مروی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ علماء کی رائے میں اگر حاکم عدل و انصاف کی بجائے ظلم وجور سے کام لے اور شریعت پر عمل کرنے اور کروانے کے بجائے فسق وفجور سے کام لے اور منکرات و فواحش کے انتشار کا سبب بنے تو وہ حکومت چلانے کا مستحق نہیں ہے اور اُسے ہٹا دیا جانا چاہیے۔ لیکن اُصولی طور پر اس بات کو تسلیم کرنے کے باوجود علمائے اُمت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا ایسے حاکم کو بزورِ بازو ہٹا دیا جانا چاہیے یا نہیں؟ کیوں کہ اس میں بہت سے مفاسد کا احتمال بھی ہے۔

مثلاً ایسا تو نہ ہوگا کہ نظام کے سقوط سے انارکی پھیل جائے اور لاقانونیت مسلط ہوجائے یا کسی بیرونی دشمن کا حملہ ہوجائے یا کسی علاقے میں ایسی بغاوت ہوجائے جو اسلامی مقاصد ہی کو پامال کردے۔ نیز اگر کوئی حرکتِ عامہ پیدا ہو تو اس کے لیے صحت مند ملک گیر لیڈرشپ مہیا ہوگی اور اس کی سربراہی کرنے والوں کو اعتماد و قبولِ عام حاصل ہوگا۔ ان اُمور کا پوری طرح نقشہ مرتب کیے بغیر یونہی شورش اٹھا دینا اسلامی مفاد کے لیے مضر ہے۔

معتزلہ، خوارج، زیدیہ اور مرجیہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں اگر حاکم ہٹائے بغیر دفعِ منکر ممکن نہ ہو تو ایسے حاکم کو بزورِ بازو ہٹا دینا واجب ہے اور امام ابن حزم نے کہا ہے کہ بہت سے اکابر صحابہ اور ائمہ کبار کا بھی یہی مسلک ہے[2]۔ اُنھوں نے جو نام گنوائے ہیں ان میں حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ تابعین میں سے سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ، شعبیؒ اور محمد بن عبداللہ بن حسن شامل ہیں۔ ابن حزم کا کہنا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور داؤد ظاہری وغیرہ

[1] احیاء علوم الدین جلد ۷ ص ۱۱۱

[2] ابن حزم۔ الفصل فی الملل والنحل جلد ۴ ص ۱۷۱-۱۷۳

نے بھی یا تو اس امر کے حق میں باقاعدہ فتاویٰ دیے ہیں یا عملاً اس رائے کو اختیار کیا ہے۔ اس کے برعکس اہلِ حدیث اور اہلِ سنّت خصوصاً علماء متاخرین کی اکثریت نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حکام کے خلاف خروج سے گریز واجب ہے خواہ وہ نااہل اور غیر عادل ہی کیوں نہ ہوں۔ اور خواہ وہ صحیح طریقے سے برسرِاقتدار نہ آئے ہوں، کیونکہ اس سے فتنے کو ہوا ملتی ہے، اُمت کی ہوا خیزی ہوتی ہے اور اس کے نقصانات اس کے ممکنہ فوائد سے زیادہ ہیں۔⑤

اب جہاں تک عصرِ حاضر میں ان مسائل کی تطبیق کا تعلق ہے تو اگرچہ ہر معاملے میں انفرادی لحاظ سے غور کرنا ہوگا، تاہم عمومی لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان ممالک میں اکثریت ایسے حکمرانوں کی ہے جو مسلمان عوام کی مرضی سے برسرِاقتدار نہیں آئے، اور نہ ہی وہ عدل، نفاذِ شریعت اور معروف پر عمل کی اسلامی شروط پر پورا اُترتے ہیں۔ دوسری طرف اسلامی تحریکیں ہیں جن کی بنیاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیز اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین پر رکھی گئی ہے۔ ان میں سے بعض نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وہ ہر حالت میں آئینی اور قانونی ذرائع کی پابندی کریں گی اور بعض نے قوت کا طریقہ بھی اپنایا ہے اور ہماری رائے یہ ہے کہ مذکورہ بحث کی روشنی میں ان دونوں رویوں کی گنجائش شریعت میں موجود ہے۔ فرق صرف حکمتِ عملی، اپنی قوت اور اختلافِ احوال کا ہے۔ جو کہ سراسر اجتہادی اور تقدیری اُمور ہیں، تاہم انبیاء کی سیرت، انقلابوں کی تاریخ اور خصوصاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا مطلوب انقلاب اگرچہ اپنی داخلی قوت (یعنی اس کے متبعین کے جذبے، ایمان، تقویٰ اور ایثار) کی وجہ سے آتا ہے۔ تاہم اس انقلاب کی مزاحم خارجی قوتوں کو بزورِ بازو رستے سے ہٹانا ہی پڑتا ہے۔

---

⑤ عصرِ حاضر میں صورتِ معاملہ یوں ہے کہ ہر غیر مسلم اور مسلم ملک میں ظلم و جبر کے خاتمے کے لیے لادینی تحریکیں برسرِعمل ہیں۔ اب بجائے اس کے کہ ساری بازی ان کے ہاتھ میں چلی جائے، خود اسلامی تحریکوں کو انقلاب کا راستہ بنانے کے لیے عوام کو تیار کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ تو کوئی معقول موقف نہیں کہ ہم اپنے مسلم حکمرانوں کے ظلم و استبداد کی حمایت کرتے رہیں۔ اور دوسری طرف ظلم کش عوام کے مسائل اور جذبات سے آنکھیں بند کرلیں۔ (مدیر)

خدا پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

نوعِ انسانی کی دیرینہ خواہش یہ ہے کہ دنیا میں ایسا معاشرہ قائم ہو جہاں ہر طرف عدل وانصاف ہو، جہاں اخوت ومحبت ہو، جہاں راحت وآرام ہو۔ شاعر اپنے اشعار میں اور فلسفی اپنے افکار میں اس موعودہ جنت کا نقشہ مختلف انداز میں کھینچتے رہتے ہیں۔ گذشتہ صدی میں یورپ کے دانشوروں نے دعویٰ کیا کہ معاشرہ سے استحصال کا خاتمہ ہو جائے تو عدل وانصاف بھی قائم ہو سکتا ہے اور راحت وآرام بھی حاصل ہو سکتا ہے، البتہ استحصالی قوتوں کو متعین کرنے میں اختلافات ہیں۔ کارل مارکس (۱۸۸۳ــ۱۸۱۸ء) کا دعویٰ ہے کہ سرمایہ داری وجۂ استحصال ہے ــ گوبینو (۱۸۸۲ــ ۱۸۱۶ء) کا دعویٰ ہے کہ ایک قوم اور ایک نسل دوسری قوم اور دوسری نسل کا استحصال کرتی ہے۔

روس میں گذشتہ ستر سال سے کارل مارکس کے فلسفہ کے مطابق ایک ریاست اور ایک معاشرہ قائم ہے۔ اس امر سے صرفِ نظر کر بھی لیا جائے کہ اس ریاست کے قیام میں اور استحکام میں بنی آدم کا کس قدر خون بہایا گیا ہے اور وہاں کس قدر جابرانہ نظام نافذ ہے، تب بھی یہ بات واضح ہے کہ وہاں نہ عدل وانصاف ہے اور نہ راحت وآرام۔ آئے دن وہاں کے بڑے بڑے عہدہ داران وہاں سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ لیتے رہتے ہیں۔ خالص نسل کی حکومت ہٹلر (۱۹۴۵ــ۱۹۳۴ء) نے نازی جرمنی میں قائم کی تھی اور جنوبی افریقہ میں ۱۹۱۰ء سے قائم ہے۔ نوعِ انسانی پر جو مظالم ان ریاستوں میں ہوئے ہیں، ان سے ساری دنیا چیخ اٹھی۔

لیکن مارکس کے حامی کہتے ہیں کہ رُوس ہیں مارکس کے نظریہ کو پوری طرح عمل پیرا ہونے کا موقع نہیں ملا، بلکہ لینن اور اسٹالن نے اس میں مَن مانی ترمیمات کر ڈالیں، اس لیے خالص نظری اعتبار سے مارکس کا فلسفہ ناکام نہیں ہوا - اور یہی بات خالص نسل پرست بھی کہتے ہیں -

اس لیے نظری اعتبار سے گفتگو کرنے کے لیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ دُور سمندر میں ایک جزیرہ ہے - وہاں مارکس کے فلسفہ کے مطابق ایک ریاست قائم ہے - وہاں سرمایہ داری کا خاتمہ ہو چکا ہے - وہاں طبقہ واریت کا خاتمہ ہے - وہاں مساواتِ کلی قائم ہے - استحصال کا نام و نشان بھی نہیں ہے - وہاں کے رہنے والے ہر فرد کو چند ایکڑ زمین کاشت کے لیے دی گئی ہے - ایک گائے دُودھ پینے کے لیے دی گئی ہے - ایک مکان رہنے کے لیے دیا گیا ہے - ہر ایک کے پاس ایک بیوی ہے - غرض کہ ان کو تمام ضروریاتِ زندگی میسر ہیں اور کامل مساوات قائم ہے - مارکس کی یہ مزعومہ جنت ہے - یہ جنت اس بنیاد پر قائم کی گئی ہے کہ انسان ایک حیوان ہے - اور حیوان کی ساری ضروریات جب مہیا کر دی گئیں تو پھر وہ کیوں لڑیں گے - دراصل غلطی کی جڑ یہی تصوّر ہے -

بہرکیف مارکس کی اس جنت میں لڑائی جھگڑے ختم نہیں ہوں گے - ایک شخص کہے گا کہ دوسرے کی زمین زیادہ زرخیز ہے اس پر قبضہ کرنا چاہیے - دوسرا کہے گا کہ پڑوسی کی گائے زیادہ دُودھ دیتی ہے اُس کو حاصل کرنا چاہیے - تیسرا شخص کہے گا کہ فلاں شخص کی بیوی زیادہ حسین ہے ، زیادہ سلیقہ مند ہے - اس سے شادی ہو جائے تو زندگی مزے سے گزرے گی - اس کے بعد مذکورہ بالا اشخاص اپنا مقصود حاصل کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دیں گے - جائز و ناجائز تمام وسائل اور طریقے اختیار کریں گے - تصادم ہوگا، جھگڑا ہوگا - کوئی بتائے کہ مارکس اور اس کے پیروؤں کے پاس کون سا ذریعہ ہے جس کے استعمال سے وہ اس سوچ پر پابندی عاید کریں اور اس نوع کے جھگڑوں کی بیخ کنی کریں، اور خرابی کے سرچشمہ کو بند کریں -

جتنی بھی قانونی اور انتظامی کارروائی ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے وہ سب وقوعہ فعل کے بعد ہوتی ہے جس سے بچ نکلنے کے ہزارہا راستے ہیں - سب سے کامیاب طریقہ تو رشوت ہے - مادی انسان کی ایک قیمت ہوتی ہے - سو، ہزار، لاکھ - بہرحال کسی نہ کسی قیمت پر وہ بِک جائے گا - ورنہ

پھر شراب اور عورت یا کوئی عہدہ پیش کرنے پر تو وہ موم بن جائے گا۔ معلوم ہوا کہ مارکس کے فلسفہ کے تحت نہ عدل و انصاف قائم ہو سکتا ہے، نہ جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں، نہ ظلم و جور ختم ہو سکتا ہے۔

اب فرض کیجیے کہ ایک جزیرہ میں ایک نسل کے لوگ ہیں، سب ایک ہی قوم ہیں، ایک ہی زبان بولنے والے ہیں۔ نہ دوسری قوم ہے وہاں نہ دوسری زبان ہے۔ کوئی غیر ان کا استحصال نہیں کر رہا ہے۔ ایک ہی نسل کا معاشرہ ہے، ایک ہی نسل کی حکومت ہے۔ آدم کی مثال میں جس طرح برائی کا آغاز ہوا۔ کیا یہاں نہیں ہوگا؟ دوسرے کی زمین اور دوسرے کی بیوی پر قبضہ کرنے سے لوگ باز آجائیں گے، صرف اس لیے کہ وہ ایک ہی نسل کے افراد ہیں، اور ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ ایسے سینکڑوں قبائل دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہیں، کیا وہاں جھگڑے بلکہ قتل و غارت گری نہیں ہوتی؟ کیا وہاں اغوا کے واقعات نہیں ہوتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ایک قوم، ایک نسل اور ایک زبان کا دعویٰ کرنے والے بھی غلط سوچ میں مبتلا ہیں۔ برائی کے سرچشمہ کو بند نہیں کر سکتے۔

فیضانِ سماوی کے منکر اور انسان کو محض ایک حیوان تصور کرنے والی مغربی تہذیب کے دانشوروں نے جب حیوانی دنیا کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ حیوان کے لیے تین محرکاتِ عمل ہیں:
۱- چارہ کی تلاش ۲- شہوت رانی ۳- لڑجھگڑ کر ہم جنسوں پر برتری ثابت کرنا۔ اس لیے کارل مارکس نے انسان کا اصل مسئلہ شہوتِ شکم کو قرار دیا۔ فرائڈ نے شہوتِ جنسی کو قرار دیا اور ایڈلر نے اصل مسئلہ انسان کی خواہشِ خود افرازی اور استکبارِ نفس کو قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصل مسئلہ نہ شکم ہے، نہ جنس ہے، نہ خود افرازی ہے۔ مغرب نے جب ڈارون کے نقطۂ نظر کو قبول کر لیا اور انسان کو محض ایک حیوان مان لیا تو پھر ان کی ذہنی پرواز یہیں تک ہو سکتی ہے۔ اس وقت سے مغرب کی توجہ اصل مسئلہ کی طرف سے ہٹ گئی۔ عالمِ انسانیت کا سب سے عام، سب سے زیادہ بنیادی مسئلہ اختیارات اور اقتدار کا غلط استعمال ہے۔ انسان کے خلیفہ بننے کا اعلان سن کر فرشتوں نے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی تھی کہ انسان اختیارات کا غلط استعمال کرے گا اور دنیا میں فساد اور خوں ریزی پھیلائے گا۔ اوّل روز سے آج تک انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی انسان کا بنیادی مسئلہ یہی ہے۔ دنیا جہاں

کی ساری خرابیوں کی جڑ اختیارات کا غلط استعمال ہے۔

ایک چپڑاسی جس کا کام بس اس قدر ہے کہ آنے والے ملاقاتیوں سے چٹ وصول کرے اور اسی ترتیب سے وہ اندر لے جا کر صاحب کے پاس پیش کر دے۔ وہ رشوت لے کر کسی کی چٹ آگے کر دیتا ہے اور کسی کی پیچھے۔ اس کے پاس نہایت حقیر سا اختیار ہے مگر اس میں بھی وہ تصرّف کرتا ہے اور غلط استعمال کرتا ہے۔ عدالت کا سپاہی طلبانہ (سمن) لے کر کسی دیہاتی کے پاس جاتا ہے، مگر وہاں سے مرغی، انڈا، مکھن کھا کر واپس آتا ہے۔ اختیارات کا استعمال غلط کرتا ہے۔ حکومت کی ساری مشینری اختیارات کا غلط استعمال کرتی ہے۔ چپڑاسی سے لے کر بڑے سے بڑے ذمہ دار عہدہ دار تک۔ ایک زمانے میں اخبارات میں یہ بات شائع ہوئی تھی کہ سکندر مرزا صدر پاکستان قاسم بھٹی اسمگلر سے لاکھوں روپے رشوت وصول کرتا ہے۔ انفرادی سطح کے علاوہ اجتماعی سطح پر غلط فیصلے کرتے ہیں۔ قانون ساز اسمبلیاں غلط ضابطے اور غلط قانون بناتی ہیں۔ ایک گروہ، ایک طبقہ اور بعض دفعہ ایک فرد کو فائدہ پہنچانے کے لیے حکم نافذ کر دیا جاتا ہے۔ یہ اختیارات کا غلط استعمال ہے۔

عام شہری سطح پر اور نچلی سطح پر اختیارات کا غلط استعمال ہے۔ ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ظلم کرتا ہے۔ چچا بھتیجے کے ساتھ ظلم کرتا ہے۔ ماں سوتیلے بچے کے ساتھ ظلم کرتی ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن کا ثبوت فراہم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ایک افسر اپنے ماتحتوں کے ساتھ ظلم کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر اپنے مریضوں کے ساتھ ظلم کرتا ہے، دھوکہ دیتا ہے، ناجائز رقم وصول کرتا ہے۔ غرضیکہ جہاں کہیں انسان کا انسان سے واسطہ ہے، سابقہ ہے، ایک صاحبِ اختیار ہے، دوسرا زیردست ہے، وہاں ظلم کے مواقع موجود ہیں، وہاں ظلم ہو رہا ہے۔ اختیارات کے غلط استعمال کی مثالیں اس قدر ہیں کہ اُن کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

اہلِ مغرب کے پاس ان خرابیوں اور برائیوں کا کوئی علاج نہیں ہے۔ نہ سوشلزم میں، نہ اشتراکیت میں، نہ قوم پرستی میں، بلکہ ان بیچارے دانشوروں کو تو اصل فساد کے سرچشمہ کی بھی خبر نہیں ہے۔ اِس کا علاج صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔

اسلام اس بنیادی تصور کو نہیں تسلیم کرتا کہ انسان محض ایک حیوان ہے۔ اسلام کے نزدیک

انسان ایک رُوحانی ہستی ہے۔ یہ جسم اس کو بطور آلہ کے دیا گیا ہے، تاکہ رُوح اپنی کارکردگی کا اظہار کر سکے۔ اسلام اس بات کو بھی نہیں تسلیم کرتا ہے کہ انسان دنیا میں چرنے چگنے اور مزے اڑانے کے لیے آیا ہے اور مرنے کے بعد مٹی میں مِل کر مٹی ہو جائے گا، جیسا کہ اہلِ مغرب کا تصور ہے، خواہ اس صراحت سے وہ اس کا اظہار کریں یا نہ کریں۔ اسلام کے نزدیک انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ خلیفہ کا کام اب یہ ہے کہ وہ اس کی ترقی اور آبادکاری میں کوشاں ہو۔ یہاں فساد اور خونریزی نہ ہونے دے۔ اس کارگزاری ہی میں اس کی آزمائش ہے، اس کا امتحان ہے۔ اس حُسنِ کارکردگی کی خاطر اسے علم دیا گیا ہے۔ اس کو اقتدار اور اختیار دیا گیا ہے۔ فطرت کی قوتیں اس کی مطیع فرمان بنا دی گئی ہیں۔ مرنے کے بعد اس کے ریکارڈ کا محاسبہ ہوگا۔ حُسنِ عمل پر انعام ملے گا اور بداعمال کی سزا ملے گی۔

ذرا تقابل کیجیے۔ ایک وہ انسان ہے جو مغربی دانشوروں کا ساختہ پرداختہ ہے، جو شُترِ بے مہار ہے۔ وہ فیل بدست ہے، من موجی ہے، سیلانی ہے۔ جس نے دُنیا میں شر و فساد پھیلا دیا ہے۔ نسلِ انسانی کی تباہی کا خطرہ (جوہری بم) سر پر منڈلا رہا ہے۔ جس نے اس کے مفکروں اور دانشوروں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ بلاشبہ وہ آسمان پر اُڑ رہا ہے اور زمین کا سینہ چیر رہا ہے۔

دوسری طرف قرآن کا خلیفۃ اللہ ہے، جس کا خدا پر ایمان ہے، جس کا آخرت پر یقین ہے۔ وہ آخرت میں ہونے والے محاسبہ سے خائف ہے، اس لیے وہ محتاط زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ اختیارات کا غلط استعمال نہیں کرتا۔ وہ حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ وہ طرزِ حیات ہے جس کو قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کہتے ہیں۔ تقویٰ کے دو رُخ ہیں۔ داخلی طور پر تو یہ خدا کا خوف ہے، آخرت کا خوف ہے اور خارجی طور پر یہ ضبط و تحمل ہے، اور خود انضباطی (SELF CONTROL) ہے۔ متقی حکمران ہوگا تو اختیارات کا غلط استعمال نہیں کرے گا۔ سرکاری رقم کے چراغ کو بیوی سے بات چیت میں صرف نہیں کرے گا۔ عبا کے لیے حاصل کردہ زائد چادر کا حساب برسرِعام مسجد میں دے گا۔ متقی خزانچی ہوگا تو وہ پیشگی تنخواہ طلب کرنے پر خلیفۂ وقت کو انکار کر دے گا۔ متقی خلیفہ ہوگا تو دمشق کی تعمیر شدہ مسجد کے

نصف ناجائز حصّہ کو عیسائیوں کو واپس کر دے گا۔ وہ خدا سے ڈرتا ہے۔

دُنیا میں عدل و انصاف، امن و سکون صرف اللہ کے بندے قائم کر سکتے ہیں۔ ہر قسم کے ظلم و ستم کا خاتمہ اللہ کے متقی بندے کر سکتے ہیں۔ تاریخِ انسانی یہ سبق سکھاتی ہے کہ بجز نبیوں کی رہنمائی کے دَور کے دوسرے تمام ادوار میں ظلم و ستم ہوتا رہا ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے آدمِ ثانی حضرت نوح علیہ السلام کو آغاز میں ہی بتا دی تھی:

ان اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعون۔ (نوح - ۳)

(اے لوگو!) اللہ کے بندہ بن کر رہو اللہ سے تقوٰی اختیار کرو اور اللہ کی اطاعت کرو۔)

خوف آخرت پر ایمان کے علاوہ اور دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے جو انسان کو اختیارات اور اقتدار کے غلط استعمال سے روک سکے۔ جو انسان کو ضبطِ نفس پر عامل بنا سکے۔ انسان کی حقیقی صلاح و فلاح صرف اسلامی نظامِ حیات کے ساتھ وابستہ ہے۔ آخرت پر ایمان کے بغیر دُنیا میں عدل و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران - ۱۹)

نظامِ حیات اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔

بھارت میں اسلامی تحقیق کا ایک اہم ادارہ

جناب محمد سعود عالم قاسمی صاحب

آج کی مادہ پرست اور تغیر پذیر دنیا میں انسانوں کے بنائے ہوئے مذاہب اور نظریات اپنی جگہ چھوڑ چکے ہیں، پرانے مذاہب اپنا اعتماد کھو بیٹھے ہیں، نئے نظریات اپنے تضادات کا آپ شکار ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قدیم مذاہب علم و تحقیق اور عقل و دانش کے معیار پر نہ صرف یہ کہ پورے نہیں اترتے، بلکہ وہ اس راہ میں بسا اوقات سنگِ گراں بن جاتے ہیں۔ دوسری طرف نئے نظریات اپنا کوئی حتمی اعتبار اس لیے نہیں پیدا کر سکے کہ ان کے پاس کوئی ایسی سند نہیں جو بقائے دوام کی ضمانت فراہم کر سکے اور انسانی زندگی کے ابدی مسائل کا حل پیش کرے۔

لیکن تغیر و تجدید اور شکست و ریخت کے یہ طوفانی سیلاب اسلام کو قصۂ پارینہ نہ بنا سکے، اور نہ اس کی عظمت و ہدایت کو متاثر کر سکے، اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور آخری دین ہے، جو رہتی دنیا تک انسانی زندگی کے لیے رہنما ہے اور وہ علم و عقل اور تحقیق و جستجو کی ہر معتبر کسوٹی پر پورا اترتا ہے، نیز وہ اپنی اشاعت اور فروغ کے لیے اوہام و رسوم کے بجائے علم و آگہی اور فکر و بصیرت کا راستہ اپناتا ہے۔

اسلام کی علمی برتری ایک تاریخی حقیقت ہے، جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ مگر کچھ لوگ اسے علم و فکر کی سطح سے نیچے اتارنے کا باعث بھی بن رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ ذمہ داری صرف اور صرف مسلمانوں کی ہے کہ وہ علم و تحقیق کے میدان میں آگے بڑھیں اور اسلام کی دعوت ان لوگوں تک پہنچائیں جو اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں اور ان لوگوں کا بھی علمی محاسبہ کریں کہ جو اسلام کو مسخ کرنے کے درپے

ہیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ دنیائے انسانیت کی ہر قابل ذکر مسلم آبادی میں اسلامی علوم کے ادارے قائم ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں جو استدلال و تحقیق کے طریقے اختیار کر کے دین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ جماعت اسلامی ہند نے اسی نصب العین کے تحت ۱۹۵۶ء مطابق ۱۳۷۶ھ میں رامپور (بھارت) میں ادارہ تصنیف قائم کیا، جس نے بعد میں ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی شکل اختیار کر لی۔

اس ادارہ نے علماء اور دانشوروں کی ایک ٹیم کو قرآن و حدیث، اخلاق و معاشرت، معیشت و اقتصاد، دعوت و تبلیغ اور سیاست و اجتماعیت کے موضوعات پر تحقیق و تصنیف کے لیے لگایا۔ اور ساتھ ہی نئی نسل کی ایک جواں ہمت ٹیم اس کام کے لیے تیار کرنے کی مہم کا بھی آغاز کر دیا۔ ادارہ نے علمی دنیا میں وہ کارکردگی پیش کی، جس نے یہ باور کرا دیا کہ اسلام ایک علمی اور زندہ مذہب ہے۔ اور یہ کہ وہ اقدامی پوزیشن میں ہے۔ اس ادارہ سے وہ لوگ وابستہ ہیں، جن کی علمی بصیرت اور فکری خدمات اسلامی دنیا میں مسلم ہو چکی ہیں۔ مثلاً مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا افضل حسین (قیم جماعتِ اسلامی)، مولانا محمد یوسف اصلاحی، مولانا وحیدالدین خاں، مولانا محمد فاروق خاں، مولانا سید جلال الدین عمری اور متعدد دوسرے حضرات۔

اگست ۱۹۷۰ء میں یہ ادارہ رامپور سے علی گڑھ منتقل کر دیا گیا۔ اس کی وجہ علی گڑھ کی وہ علمی مرکزیت تھی جس میں جدید و قدیم علوم کی سہولتیں اور ماہرین یکجا ہیں۔ دسمبر ۱۹۸۰ء میں جماعتِ اسلامی ہند کی مجلسِ شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ ادارہ کو خود مختار اور آزاد حیثیت میں کام کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ اب ادارہ کا نیا نام "ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی" قرار پایا۔ اس کے صدر حسب سابق مولانا صدرالدین اصلاحی مقرر ہوئے اور سیکرٹری مولانا سید جلال الدین عمری۔ ۱۹۸۵ء میں مولانا صدرالدین اصلاحی اپنی مسلسل علالت کی وجہ سے مستعفی ہو گئے اور مولانا محمد فاروق خاں صاحب ان کی جگہ نئے صدر منتخب ہو گئے، جبکہ سیکرٹری کے فرائض مولانا جلال الدین عمری انجام دے رہے ہیں۔ آپ مجلہ تحقیقاتِ اسلامی کے ایڈیٹر، جماعتِ اسلامی ہند کی شوریٰ کے رکن اور ادارہ کے روحِ رواں ہیں۔ ادارہ کے دوسرے کارکن مولانا سلطان احمد اصلاحی اور محمد مسعود عالم قاسمی ہیں۔

ان حضرات کی علمی تصانیف کی اجمالی فہرست یہ ہے:

مولانا صدرالدین اصلاحی ——— ۱- تلخیص تفہیم القرآن۔ ۲- اسلام ایک نظر میں۔ ۳- معرکۂ اسلام وجاہلیت۔ ۴- دین کا قرآنی تصور ۵- اساس دین کی تعمیر ۶- حقیقت نفاق ۷- اسلام اور اجتماعیت ۸- فریضۂ اقامت دین ۹- تحریک اسلامی ہند ۱۰- قرآن مجید کا تعارف ۱۱- تیسیر القرآن ۱۲- اسلام کا نظام معیشت ۱۳- دین کا مطالعہ۔ ۱۴- راہ حق کے مہلک خطرے ۱۵- یکساں سول کوڈ اور مسلمان ۱۶- مسلم پرسنل لا دینی و ملی نقطۂ نگاہ سے ۱۷- نکاح کے اسلامی قوانین ۱۸- اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ۱۹- افادات شاہ ولی اللہ ۲۰- حقیقت عبودیت۔

مولانا سید جلال الدین عمری ——— ۱- انسان اور اس کے مسائل ۲- عورت اسلامی معاشرہ میں ۳- مسلمان عورت کے حقوق ۴- مسلم خواتین کی ذمہ داریاں ۵- عورت اور اسلام ۶- خدا اور رسولؐ کا تصور ۷- معروف ومنکر ۸- اسلام کی دعوت ۹- امراض ومصائب اور اسلام ۱۰- بچے اور اسلام ۱۱- دولت میں خدا کا حق ۱۲- اسلام اور وحدت بنی آدم ۱۳- اسلام کا شورائی نظام ۱۴- والدین کے حقوق ۱۵- خاندان اسلامی تعلیمات ہیں۔

مولانا محمد فاروق خاں صاحب ——— ۱- ترجمۂ قرآن مجید (ہندی) ۲- حدیث سوربھ ۳- حدیث کا پتر پچے ۴- ایک ایشور کی کلپنا ۵- پرلوک کی چھایا میں ۶- ستیہ سادھنا ۷- اسلام ایک مدھرا بہار ۸- اسلام ایک پریرنا ۹- وید اور قرآن ۱۰- اسلام ایک پردیشکا ۱۱- اسلام بھوشیہ کی آشا ۱۲- پنتھ ریکھائیں ۱۳- ترجمہ "سید مودودی" (ہندی)[1] ۱۴- کلام نبوت ۱۵- حدیث کا تعارف ۱۶- مطالعۂ حدیث ۱۷- خدا کیا اور کہاں؟ ۱۸- تصور آخرت اور ہندوستانی روایات ۱۹- ہندو دھرم ایک مطالعہ ۲۰- ہندو دھرم کی جدید شخصیتیں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی ——— ۱- اسلام کا تصور مساوات ۲- قرآن اور سائنس

---

[1] ایڈیٹر ترجمان القرآن ہندی نہیں جانتا اور چونکہ ہندی اور سنسکرت کے الفاظ بہت احتیاط سے صاف نہیں لکھے گئے اس لیے کتابت میں غلطی کا امکان ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ (ف - ص)

۳۔ انسانی معاشرہ اسلام کے سایہ میں ۴۔ فکر کی تربیت کے اہم تقاضے ۵۔ بچوں کی مزدوری اور اسلام ۶۔ مومن کی زندگی قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

محمد سعود عالم قاسمی ——— ۱۔ عورت اسلام کے سایہ میں ۲۔ وضعِ حدیث کے اسباب اور علامات ۳۔ اسلامی تہذیب کی تفہیمِ جدید ۴۔ اسلامی تہذیب اور اس کا مزاج ۵۔ اسلامی تہذیب ہندوستان میں۔

اس وقت ادارہ میں حسب ذیل پانچ شعبے کام کر رہے ہیں۔

۱۔ شعبۂ تصنیف ۲۔ شعبۂ تصنیفی تربیت ۳۔ شعبۂ تراجم ۴۔ شعبۂ نشر واشاعت ۵۔ شعبۂ مجلہ تحقیقاتِ اسلامی۔

تصنیفی تربیت کے پروگرام کے تحت دینی مدارس کے فضلا اور یونیورسٹیز کے پوسٹ گریجویٹ طلبا کو دو سال کی تصنیفی تربیت دی جاتی ہے۔ اس وقت بھی ادارہ میں ایسے تین طلبا زیرِ تربیت ہیں۔ اشاعتی پروگرام کے تحت معرکۂ اسلام وجاہلیت، عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا، مسلمان عورت کے حقوق اور ایمان وعمل کا قرآنی تصور جیسی ضخیم کتابوں کے علاوہ انگریزی میں چھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جنوری ۱۹۸۲ء سے سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی باقاعدگی کے ساتھ نکلتا ہے جس میں اسلامیات سے متعلق معیاری تخلیقات شائع کی جاتی ہیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس مجلہ نے نہایت ہی کم عرصہ میں وقار اور اعتبار کا بڑا مقام حاصل کیا ہے۔

اس کے علاوہ ادارہ میں توسیعی خطبات کا سلسلہ بھی رہتا ہے۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر کبیر احمد جائسی (ریڈر اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے "ایک قدیم فارسی تفسیر کا مطالعہ"، پروفیسر عبدالحق انصاری (ادارہ بحوثِ اسلامیہ ریاض) نے "تصوف مجدد الف ثانی کی روشنی میں"، پروفیسر نجات اللہ صدیقی (سابق صدر اسلامک سٹڈیز اے ایم یو علی گڑھ) نے "عصرِ حاضر میں اسلامی تحقیق کے تقاضے"، اور پروفیسر محمد اسلم (پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے "اسلامی تاریخ نگاری کے مسائل اور پاکستان میں اسلامیات کا مطالعہ" کے عنوانات پر لیکچر دیے۔

ادارہ کے پیشِ نظر آئندہ کے لیے منصوبہ یہ ہے:

۱۔ عقلی انداز میں اسلامی عقائد کے متعلق تفصیلی بحث پر مشتمل ایک کتاب کی تصنیف۔

(باقی بر صفحہ ۴۳)

پانچویں دیوار

انگریزی سے ترجمہ، جناب فیض احمد شہابی صاحب

یوگوسلاویہ کی ۲۳ ملین آبادی میں ۴ ملین سے زائد مسلمان ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں یہ مملکت وجود میں آئی تھی۔ اب یہاں مسلمانوں کے لیے جینا دوبھر ہوگیا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں کمیونسٹ برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے مسجدوں پر قفل لگا دیے۔ مذہبی فرائض ادا کرنے پر پابندی عاید کر دی اور مکتب بند کر دیے۔ حکومت کے "قاتل دستوں" نے مسلمانوں کو چُن چُن کر ہلاک کیا۔ جبر و تشدد روزمرہ کا معمول بن گیا۔ مسلمان اشتراکیت کے قہرمانہ نظام میں پِس کر رہ گئے۔ ان کے لیے ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنی بقاء کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ ۱۹۸۱ء میں قصووہ (Kosovo) کے مسلمانوں نے آزادی اور خود مختاری کے حصول کے لیے ایک تحریک چلائی جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک طوفان کی شکل اختیار کر گئی۔ حاکم لرز اٹھے، ایوانِ اقتدار ہل گیا۔ اشتراکیت کی دیوی کے پجاری حواس کھو بیٹھے۔ وہ نہتی رعایا کے مقابلے میں فوج لے آئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس تحریک کو بمبار جہازوں اور ٹینکوں کی مدد سے کچل دیا گیا۔ دو ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ اشتراکیت نے اپنی "فتح" کا جشن اس طرح منایا کہ بے گناہ لوگوں سے جیلیں بھر گئیں۔ ۱۹۸۳ء میں اس "باغی تحریک" کے بارہ رہنماؤں پر مقدمہ چلا۔ اشتراکی عدالت نے انہیں مجموعی طور پر نوے سال قید کی سزا سنائی۔ ان "مجرمانِ بے خطا" میں ایک خاتون ملکہ صالح بیگووچ (MELIKA

(SALEH BEGOVIC) بھی شامل تھیں۔ قید کے دوران میں ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ غیر انسانی سلوک اور جبر و تشدد سے ان کی صحت جواب دے گئی تو حکام نے انہیں ۱۹۸۵ء میں رہا کر دیا۔ درج بالا واقعات ان کی اسیری کی پر آشوب داستان کا ایک حصہ ہیں۔ عبرت کا پہلو یہ ہے کہ یوگو سلاویہ وہ ملک ہے جس نے "لبرل اشتراکی" ہونے کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔ (مترجم)

طبی عملہ بالکل چوکس تھا ملکہ صالح بیگووچ کی بھوک ہڑتال ۴۷ ویں دن میں داخل ہو چکی تھی۔ موت و حیات کے اس مرحلے میں اچانک فوکہ (FOCA) جیل کا دروازہ کھلا۔ حکام کے ساتھ ملکہ کا بھائی بھی تھا۔ وہ اپنی چالیس سالہ بہن کو لینے آیا تھا جسے رہائی کے احکام مل چکے تھے۔ بھائی نے اپنی بہن کو جو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو چکی تھی بازوؤں پر اٹھایا اور اسے باہر کھڑی کار کی سیٹ پر آ کر لٹا دیا۔ ملکہ کا چودہ سالہ بیٹا بھی اس موقع پر موجود تھا۔

وہ اڑھائی برس سے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند تھی۔ اس کا قصور یہ تھا کہ وہ ایک مسلمان عورت تھی۔ کمیونسٹ نظام کی باغی تھی۔ ڈاکٹروں نے اس کی رہائی کی سفارش کی تھی کیونکہ اس پر غشی کے مسلسل دورے پڑ رہے تھے۔ اپنی رہائی کے دو ہفتے بعد بھی ملکہ صالح اپنے بستر سے نہ اٹھ سکی۔ اسی دوران میں اس کی خوراک زبردستی کے دو چار نوالوں سے آگے نہ بڑھی۔

ملکہ صالح سمیت گیارہ مسلمان قیدی اور بھی تھے۔ ان پر یہی ایک الزام تھا کہ وہ "قوم پرست" تھے۔ ایک مسلمان گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد پراسرار طور پر خالق حقیقی سے جا ملا۔ ۱۹۸۵ء میں مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور پانچ ہفتے میں اختتام کو پہنچ گئی۔ ان سب مسلمانوں کا جرم یہ تھا کہ وہ "انقلاب دشمن" تھے۔

جنوری ۱۹۸۶ء میں وفاقی سپریم کورٹ نے چھ افراد کی سزا کم کر دی۔ ان پر انقلاب دشمن عناصر کے ساتھ گٹھ جوڑ کا الزام ثابت نہ ہو سکا۔ مسلم دانشور علیجاہ عزت بیگووچ کو ان کی بے لاگ تحریروں کی بنا پر دھر لیا گیا تھا۔ ان کے بارے میں فیصلہ صادر ہوا کہ وہ مزید چھ برس جیل میں گزاریں گے۔ "یہ سارا مقدمہ ایک فریب تھا!" ملکہ صالح نے کہا۔ "سراجیوو (SARAJEVO)

کے کورٹ میں پانچ ہفتے کے مختصر مگر جانگسل عرصے میں فیصلہ سنا دیا گیا۔ اس ساری کارروائی میں کہیں بھی انصاف کی جھلک دیکھنے میں نہیں آئی۔" ملکہ نے اس کی وجوہات بتلاتے ہوئے واضح کیا "ہمیں سزا دی گئی کیونکہ ہم مسلمان تھے، ہم اس پر نادم نہیں۔ مجھے ذاتی طور پر فخر ہے کہ میں ایک ایماندار اور مسلم خاتون کی حیثیت سے قربانی دینے میں پیچھے نہیں رہی۔" ملکہ کی باتوں میں خودداری کی جھلک نمایاں تھی۔

تصور میں بے چینی پھیلی تو حکام بوکھلا اٹھے۔ انہیں یہ خدشہ کھائے جا رہا تھا کہ اس جمہوریہ کے بیس لاکھ مسلمان اپنی آزادی اور خودمختاری کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو پھر انقلابِ ایران کے جیالوں کی طرح انہیں دبانا مشکل ہوگا۔ ملکہ اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ عرصہ پہلے ایران گئی تھی، لیکن طرفہ تماشہ دیکھیے کہ جس بنیاد پر انہیں پکڑا گیا تھا وہ ایک خط تھا جو کبھی امام خمینی کو لکھا ہی نہ گیا تھا۔ ملکہ نے کہا کہ اس وقت جو اخباری انٹرویو وہ دے رہی ہیں اس کی وجہ سے انہیں دوبارہ گرفتار کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ دنیا کو حقائق بتانے سے گریز نہ کریں گی۔ ان کے الفاظ ہیں: "میرا ایمان ہے کہ جھوٹ بولنے سے کہیں یہ آسان ہے کہ آدمی موت کو گلے لگا لے۔ میں اپنے بیٹے کو بھی اسی سچائی کا درس دیتی آئی ہوں۔"

حکومت کا مؤقف یہ تھا کہ فسادات سے پہلے "قوم پرست شرپسندوں" نے ایک گروپ بنایا تھا۔ ملکہ نے اس کی پرزور تردید کی۔ "میں صرف تین آدمیوں سے واقف تھی۔ دوسرے ملزم پہلی بار عدالتوں میں دیکھے تھے۔ مجھے قوم پرست کے لفظ سے نفرت ہے کیونکہ اسلام قوم پرستی کا مخالف ہے۔"

سراجیوو کے اپارٹمنٹ بلاک کے ایک فلیٹ میں ملکہ کی رہائش ہے۔ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی طمانیت کا احساس بیدار ہونے لگتا ہے۔ دیواروں پر قرآنی آیات کے طغرے آویزاں ہیں۔ یہاں نسل، گروہ، رنگ یا قومیت کا شائبہ تک نہیں دکھائی دیتا۔ ملکہ قوم پرستی کے الزام کا جواب ہنس کر دیتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یوگوسلاویہ میں کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس پر مخالفِ حکومت پروپیگنڈہ کرنے کا شک نہ کیا جاتا ہو۔ ۱۹۸۵ء میں یوگوسلاویہ کی رائٹرز کانگریس نے حکومت سے سفارش کی تھی کہ محض شک و شبہ کی بنا پر کسی کو نہ پکڑا جائے۔ ملکہ نے کہا کہ ہم بھی یہی چاہتے

ہیں کہ قید و بند میں ڈالنے والے کالے قوانین فوراً منسوخ کر دیے جائیں۔ انھوں نے بتایا کہ مقدمے کے دوران میں میرے دفاع کے لیے حکومت نے جو "وکیل" مقرر کیا وہ ایک نیم خواندہ سابق پولیس مین تھا۔

۱۹۷۹ء میں ملکہ نے بوسنیا کی کمیونسٹ پارٹی سے استعفیٰ دیا تو اس کی کلچرل باڈی کے ارکان کو اس حرکت پر خاصی حیرت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سے یہ استعفیٰ دلوایا گیا تھا۔ جمہوریہ بوسنیا کے ارباب بست و کشاد میں برانکو میکولچ اور حمدی جاہ پیش پیش تھے۔ جبریت پسندانہ پالیسیاں وضع کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ بس یہ بات باعث نزاع بنی اور ملکہ کمیونسٹ پارٹی سے الگ ہوگئی۔ اس کے باوجود وہ خوش تھی۔ اب وہ اسلامی اقدار اپنا سکتی تھی جس کا اس ملحد معاشرے میں کوئی تصور نہ تھا۔ ملکہ نے اس کا آغاز اسلامی حجاب سے کیا۔ وہ لادین اقدار کی باغی ہو چکی تھی۔

حکمران طیش میں آگئے۔ ۱۹۸۳ء میں ملکہ پر بے بنیاد الزام لگا کر جیل میں ڈال دیا۔ جیل کے یہ شب و روز نہایت روح فرسا تھے۔ کوئی ایسا قانون نہ تھا جس کی یہاں دھجیاں نہ اڑائی گئی ہوں۔ گرفتاری کے کوئی وارنٹ نہ تھے۔ ملکہ کے گیارہ سالہ بچے کا کوئی پرسان نہ تھا۔ وہ بالکل اکیلا تھا۔ تفتیش کئی ہفتے جاری رہی۔ جیل کے حکام ملکہ پر خونی نظریں گاڑ کر کہتے: "سب کچھ بتا دو ورنہ تمھارے لڑکے کی خیر نہیں"۔ ملکہ یہ سن کر لرز اٹھتی۔ بلیک میل کا یہ بھونڈا طریقہ خون خشک کیے دیتا تھا۔

جیل میں ملکہ کے بارے میں غلط اطلاعات فراہم کی گئیں۔ اسی پر اکتفا نہ ہوا بلکہ جھوٹ کے اس انبار کو اخبارات کے ذریعے ملک بھر میں پھیلا دیا گیا۔ ملکہ کے بارے میں مشہور کیا گیا کہ وہ ایک ایسی قدامت پسند مسلم خاتون ہے جس نے اپنے بچے کو سکول سے اٹھوا لیا ہے۔ ادھر کمیونسٹوں کا ظالمانہ رویہ دیکھیے کہ وہ بچے کو پکڑ کر جیل لائے اور گندے ماحول میں ماں سے ملوا کر پھر واپس لے گئے، افسوس ہے کہ چوروں قاتلوں اور اخلاقی مجرموں کے بچے بڑی آؤ بھگت سے ماں باپ سے ملوائے جاتے مگر سیاسی قیدیوں کے بچے اس سہولت سے محروم تھے۔

جیل کے حکام نہایت ظالم تھے۔ قید کے دوران میں ملکہ پر کئی بار تشدد ہوا۔ وارڈن کے حکم پر ایک لحیم شحیم قیدی اسے مار مار کر بے ہوش کر دیتا۔ سوزا نندوش نامی وارڈن نہایت سفاک تھا وہ ملکہ کو بے دردی سے پیٹتا تھا۔ وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گرتی تو یہ ظالم اسے ٹانگ

سے پکڑ کر گھسیٹتا۔ ملکہ کو جیل کے اس حصے میں رکھا گیا تھا جہاں طوائفیں، قاتل، چور اور لچکے بند تھے۔ آخری چار ماہ اس نے قید تنہائی میں گزارے۔ ملکہ کو ایسی کوٹھڑی میں رکھا گیا تھا جہاں تازہ ہوا یا دھوپ کا کوئی گزر نہ تھا۔ کسی شخص کو اس سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تنہائی کو مزید بھیانک بنانے کے لئے ملکہ سے کتابیں چھینی گئیں۔ تب اس نے بھوک ہڑتال کر دی۔ احتجاج کارگر ثابت ہوا۔ چند دن بعد حکام نے کچھ کتابیں واپس کر دیں۔ ملکہ نے جیل حکام کی بدسلوکی پر وزارتِ انصاف کو ایک احتجاجی خط بھیجا تو اسے وہاں تک پہنچنے نہ دیا گیا۔ اس جسارت پر وہ ایک بار پھر تشدد کے شکنجے میں کس دی گئی۔ ظلم کی انتہا ہو گئی۔ جیل کے ایک افسر نے اس عفت مآب خاتون کے کپڑے اتار کر اس کے سینے کو ناپاک ہاتھوں سے چھوا۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس پولیس والوں نے گندی گالیاں دیں اور ان کی تذلیل کی۔ قانون کی رو سے انہیں ایسا کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک کمیونسٹ معاشرے میں قانون نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

"سچ ایک انمول متاع ہے۔ اس پر ہر چیز قربان کی جا سکتی ہے۔ مسلمان ہونے کے ناتے میری آزادی سلب ہوتی ہے اور ایذا دی جاتی ہے تو مجھے اس کی پروا نہیں"۔ ملکہ نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

کمیونسٹ معاشرے میں آزادی ایک بے معنی لفظ ہے۔ یہاں فرد کی سوچ مادی زندگی کی تاریک بھول بھلیوں سے نکل ہی نہیں پاتی۔ ذہن کو جِلا اور رُوح کو فرحت بخشنے والی تحریریں یہاں نہیں چھپ سکتیں۔ سوشلسٹ معاشرہ ایک ایسا قید خانہ ہے جہاں چار و ناچار حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ ملکہ اپنی قید و بند کی یادداشتیں چھپوانا چاہتی ہیں، مگر پورے یوگوسلاویہ میں کوئی ایک پبلشر بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس کام پر راضی ہو سکے۔ وہ اپنی کتاب کا نام "پانچویں دیوار" تجویز کر چکی ہیں۔

"پانچویں دیوار" سیاسی قیدیوں اور بیرونی دنیا کے درمیان حائل ہے۔ جہاں کوئی شخص مظلوموں کی مدد کے لیے نہیں آ سکتا۔ اس بلند و بالا دیوار کی دوسری جانب جھانکنے کی اجازت نہیں۔ جہاں ایک دوست دوسرے بدقسمت مقید دوست سے اس لیے ہاتھ نہیں ملا سکتا کہ کہیں ایک ہلکا سا اشارہ اسے بھی پانچویں دیوار کے حصار میں نہ دھکیل دے۔

ملکہ کوان روح فرسا حالات میں امید کی کرن دکھائی نہیں دیتی - اس کے بھائی سے نجی کاروبار کا اجازت نامہ چھین لیا گیا ہے - وہ بہن سے ہمدردی جتانے کی سزا بھگت رہا ہے -

"میں نے سچ کی خاطر بھوک ہڑتال کی - جیل والوں نے مجھ سے اتنا ظالمانہ سلوک کیا کہ چلنے پھرنے کی سکت نہیں رہی - میں اپاہج ہو چکی ہوں - اس کے باوجود میں واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ سچ کی خاطر جنگ جاری رہے گی - دُنیاوی مصائب و آلام مجھے اپنے عظیم نصب العین سے نہیں ہٹا سکتے" ملکہ نے یہ الفاظ کہے تو اُن کے چہرے پر استقامت کی جھلک نمایاں تھی -

کیہان انٹرنیشنل - ۶ فروری ۱۹۸۶ء

(بقیہ: بھارت میں اسلامی تحقیق ایک اہم ادارہ)

۲ — "اباحیت" کے موضوع پر تصنیف -

۳ — اشتراکیت کا تنقیدی مطالعہ (ہندوستان کے سیاق میں)

۴ — قرآنی اصطلاحات کی تشریح -

۵ — غیر مسلموں کی ضروریات کے لیے سیرتِ طیبہ پر نئی تالیف -

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ادارہ ایک چھوٹی سی عمارت میں فراخ حوصلگی سے کام کر رہا ہے، مگر کام کی اہمیت اور وسعت نے تنگ دامانی کا احساس شدید کر دیا ہے، اس لیے تحقیقات اسلامی کامپلیکس کا منصوبہ ترتیب دیا جا چکا ہے، مگر اس کی تکمیل اللہ کی مدد اور اہلِ نظر اور اہلِ خیر کے تعاون کے بغیر نہیں ہو سکتی - اُمید ہے کہ ادارہ نے جس جذبے سے وقت کی اہم ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی ہے اُس کو قبول فرما کر اللہ اس کی ضرورت بھی پوری کرے گا - اور اس طرح نہ صرف ہندوستان بلکہ دُنیا میں اسلام کی عظمت کی بازیابی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا - وما ذالک علی اللہ بعزیز -

نوٹ از مدیر: اس مضمون نگار ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی علی گڑھ (۲۰۲۰۰۱ - بھارت) کے رُکن ہیں -

---

شریعت بِل اور اس کے ناقدین

جناب محمد نواز صاحب ۔ رحیم یار خان

پاکستان میں شریعت کے نفاذ اور اس کی بالادستی قائم کرنے کی تحریک ایک مدت سے جاری ہے اس تحریک کا پہلا ہدف یہ ہے کہ ملکی آئین میں شریعت کو کامل بالادستی حاصل ہو۔ شریعت کی آئینی بالادستی قائم کرنے کا مؤثر ذریعہ چونکہ پارلیمنٹ ہے۔ لہٰذا یہ حکومت اور پارلیمنٹ دونوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنا فرض ادا کریں ۔ حکومت کی ذمہ داری اس لیے ہے کہ اس نے ریفرنڈم اور انتخابات میں شریعت کے نفاذ اور اس کی بالادستی قائم کرنے کا قوم سے وعدہ کیا تھا ۔

لیکن شریعت بِل کی راہ روکنے کے لیے خود برسرِاقتدار گروہ نے جو کردار ادا کیا ہے وہ اگرچہ غیر متوقع سہی تاہم بے حد افسوسناک ہے ۔ اس بِل کے خلاف فضا کو زہر آلود بنانے کے لیے پہلے مغرب زدہ خواتین کو مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی ۔ تاخیری حربے استعمال کر کے ملک کے طبقۂ ماہرین نفاق کو چوکنا کرنے اور انہیں منظم ہونے کا موقع دیا گیا تاکہ وہ شریعت بِل کی راہ میں مزاحم ہوں ۔ کوشش کی گئی کہ شریعت بِل کو ہدف بنا کر ملک میں فرقہ واریت کے انتشار کو مزید بھڑکایا جائے ۔ جب ان سارے ہتھکنڈوں سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حکومت نے بعجلت آئین کا نواں ترمیمی بِل پاس کر کے یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ اس ترمیمی بِل نے شریعت کی بالادستی کی ضرورت پوری کر دی ہے ۔ لہٰذا اب شریعت بِل کی کوئی ضرورت نہیں ۔ ایک وزیر صاحب نے تو یہ اعلان بھی کر دیا کہ حکومت شریعت بِل کو منظور نہ ہونے دے گی ۔ ساتھ ہی یہ غلط بیانی بھی کی کہ شریعت بِل ایک خاص سیاسی جماعت کے تصورات کا آئینہ دار ہے ۔

حکمران طبقہ کی اس روش کو دیکھ کر پیشہ ور قلمکار میدان میں آئے اور انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر شریعت، سنت، اور اہلِ دین پر اپنے تابڑ توڑ حملوں کا آغاز کر دیا۔ اور اب تک پروپیگنڈے کے زور سے یہ فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ملک میں تمام دانشور، وکلا، پروفیسر، سیاسی قائدین اور قلم کار حضرات شریعت بل کے مخالف ہیں۔ صرف چند "رجعت پسند" مولوی شریعت بل کے حق میں ہیں۔ لہٰذا شریعت بل کو کسی صورت میں بھی پاس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ پاس ہو گیا تو پاکستان پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ جگہ جگہ فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو جائیں گے۔ ۱۹۷۳ء کا آئین ختم ہو جائے گا۔ ملکی سالمیت کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اجتہاد کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ رجعت پسند مولوی حکومت کے ساتھ ساز باز کر کے مذہبی فاشزم قائم کریں گے۔ مخلوط مجالس کی رونقیں ختم ہو جائیں گی۔ مرد چار شادیوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ رومن لاء کی اساس پر تعمیر ہونے والا نظامِ قانون دھڑام سے گر جائے گا۔ اور ملک میں روشنی ختم ہو جائے گی۔ اور پاکستان جہالت کی تاریکیوں میں ڈوب جائے گا۔

شریعت کے نفاذ کی یہ کس قدر بھیانک تصویر ہے، جو ہمارے قومی اخبارات کے ذریعے عوام کے سامنے ایک تسلسل کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔ گویا اب ملک سیاسی، عملی اور فکری میدان میں بے حد ترقی کر چکا ہے۔ اور اگر شریعت بل پاس کر دیا گیا تو ترقی کا یہ سارا عمل رک جائے گا۔ ہمارے ملک کے ان پیشہ ور قلم کاروں نے گویا نظامِ قانون کی تعمیر و تخلیق میں بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ ملک میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہے۔ استحصال ختم ہو چکا ہے اور لوگوں کو انصاف بآسانی مل رہا ہے۔ اور اگر شریعت کا نفاذ ہو گیا تو ملک میں لاقانونیت نافذ ہو جائے گی اور جہالت کی تاریکیاں لوٹ آئیں گی۔ پاکستان گویا سول اور ملٹری بیوروکریسی کی بالادستی سے نجات حاصل کر چکا ہے اور ملک میں حریت، مساوات اور اخوت کی فضا قائم ہے۔ اور ملک استعمار پرستی کی لعنت سے بھی چھٹکارا حاصل کر چکا ہے۔ اور اگر شریعت بل پاس ہو گیا تو "مذہبی فاشزم" کی اندھیری رات کا تسلط ہو جائے گا۔ اور رجعت پسند مولوی شریعت بل کے پاس ہوتے ہی آناً فاناً اقتدار پر قبضہ کر لیں گے اور ملک میں راتوں رات "حسن بن صباح" کا قلعہ تعمیر ہو جائے گا۔

شریعت بل کی یہ تصویر وہ عناصر پیش کر رہے ہیں جو مخلوط مجالس میں راجہ اندر کا کردار ادا کرتے

ہوئے ذرا شرم محسوس نہیں کرتے - ان میں ایسے عناصر بھی ہیں جن کے مناکحت کے رشتے قادیانیوں کے ساتھ ہیں - وہ اپنے اجتہاد کا اس لیے حق طلب کرتے ہیں کہ انہیں ان کی حرکتوں کا شریعت سے جواز حاصل ہو جائے - اور ان میں سے ایسے قلم کار بھی ہیں جو کرائے پر قلمکاری کرتے ہیں - اور بظاہر مبصر اور ریفری بن کر شریعت بل کی خامیاں اس انداز سے گنوا رہے ہیں کہ ایک خالی الذہن قاری اس بل کی حمایت سے دست کش ہو جائے اور ان کے دانشورانہ منصب کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے -

شریعت کی بالادستی کی موجودہ تحریک نے فن نفاق کے ماہرین کی راتیں حرام کر دی ہیں - اور وہ اب عجیب مخمصے میں ہیں - ایک طرف وہ شریعت کے حامی ہونے کی حیثیت کو بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف وہ شریعت کی راہ بھی روکنا چاہتے ہیں - شریعت کی بالادستی کی تحریک کی رفتار جوں جوں تیز ہوتی جا رہی ہے، اسی نسبت سے ان کے بلڈ پریشر میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے - اسی بنا پر ان کا راہوار قلم جادۂ اعتدال سے ہٹ گیا ہے - انہیں مسلمانوں کی تاریخ میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی - ان کے نزدیک مسلمانوں کی تاریخ باہمی سر پھٹول اور جہالت کی تاریخ ہے - انہیں مسلمانوں کے عقائد و تصورات میں کوئی چیز متفق علیہ دکھائی نہیں دیتی - شریعت، سنت، اجماع اور اجتہاد وغیرہ میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں مسلمان باہم متفق ہوں - ان کی نگاہ میں شریعت مذہبی فاشزم کا دوسرا نام ہے - علماء ترقی کے دشمن، جاہل، کٹر متعصب اور رجعت پسند ہیں اور رومن لا کی بنیاد پر استوار ہونے والا پورا قانونی نظام شریعت سے بالاتر ہے - شریعت اس کے تخلیق اور ارتقاء کے عمل کو روک دے گی -

ان نام نہاد دانشوران قوم کے ان اعتراضات کو یک جا جمع کر کے ان کے ساتھ آپ ان تمام اعتراضات کا موازنہ کر کے دیکھ لیں، جو عیسائی مستشرقین، سوشلسٹوں، قادیانیوں، پرویزیوں اور اہل ہنود و یہود نے دین و شریعت پر کیے ہیں تب آپ کو ان مدعیانِ علم و دانش کا حقیقی چہرہ پہچاننے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی -

حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے نفاذ اور اس کی بالادستی قائم کرنے کی تحریک کوئی ایسی چیز نہیں کہ اہل نفاق ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیں گے - ان عناصر کو ملک اور قوم کا بڑے سے بڑا نقصان گوارا ہے، مگر شریعت کی بالادستی گوارا نہیں - خدانخواستہ اگر ملک دولخت یا سہ لخت ہو جائے تو وہ اس

حادثہ کو بدل و جان قبول کر لیں گے ۔ وہ ملک پر یہود، ہنود اور عالمی استعمار کا تسلط قبول کر لیں گے، لیکن حاکمِ مطلق کے قانون کی بالادستی کو تسلیم کرنا ان کے لیے ممکن نہ ہوگا۔

اہلِ نفاق نے تاریخ کے ہر دور میں جس کردار کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاکستان میں اپنے اسی تاریخی کردار کا بھرپور انداز میں اعادہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

شریعت کی بالادستی کی اس تحریک کی راہ روکنے کے لیے اہلِ نفاق نے کئی محاذوں پر کام شروع کر رکھا ہے۔ استعماری طاقتوں اور اُن کے ایجنٹوں کی کوشش ہے کہ پاکستان کو شریعت کے نفاذ کی منزل سے دُور رکھا جائے۔ سندھ بلوچ پختون محاذ، پی پی پی کی دہشت گردی، ایم آر ڈی کا سیکولرازم، مسلم لیگ کی سیاسی پیچ رنگیاں، سوشلسٹوں، قادیانیوں اور منکرینِ سنّت کی سازشیں، صحافت اور ابلاغِ عام کے وسائل کے ذریعہ دین و شریعت کی اقدار کی پامالی یہ سب شریعت کی بالادستی کو روکنے کے محاذ ہیں۔ یہ تمام عناصر باہم مختلف اور متصادم ہونے کے باوجود شریعت کی بالادستی کی راہ روکنے کے مقصد پہ باہم متفق اور متحد ہیں۔ عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ ولی خاں نے قادیانیوں کی حمایت میں ایک بیان دیا تھا۔ قادیانیوں کے سربراہ نے لندن سے اس کا فوری جواب دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے "عوام قادیانیوں کے خلاف نہیں، صرف حکومت اُن کی مخالف ہے"۔ ولی خاں نے قادیانیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انہیں مزید یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "ہم غیر فرقہ وارانہ سیکولر سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اگر ہم برسرِ اقتدار آئے تو تمام طبقوں کے حقوق کا تحفظ کریں گے، خواہ وہ قادیانی ہو یا کوئی اور"۔ ولی خاں کے اس بیان کو بڑھ کر پی پی پی کے سربراہ نے بھی قادیانیوں کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

شریعت کی راہ روکنے کے لیے اہلِ نفاق اپنی صفوں کو درست کر رہے ہیں۔ ان کے متحدہ محاذ قائم ہو رہے ہیں۔ دعوٰی اور پروگرام بحالیٔ جمہوریت کا ہے، مگر منشور سیکولرازم کا ہے۔ اور اہلِ دین کو رجعت پسند کہا جا رہا ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں قادیانیوں کی علانیہ حمایت کی جا رہی ہے — شریعت کی بالادستی کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ مگر سیکولرازم سے دینِ منافقت کو دانتوں سے پکڑا ہوا ہے اور اسے ملک پر مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ملک میں سیکولرازم کے نفاذ کے لیے جس طریقِ کار کا اظہار کیا گیا ہے وہ بقول ولی خاں یہ ہے کہ "جس راستے پر ہم چل رہے

ہیں۔ اگر اس راستے سے انقلاب آیا تو پاکستان کا مقدر خونی انقلاب ہوگا"

ملک کے قلمکار شریعت بل پر جو اعتراضات وارد کر رہے ہیں ۔ اُن میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ اس سے عورتوں سے حقوق ختم ہو جائیں گے ۔ عائلی قانون کالعدم ہو جائے گا ۔ اور مردوں کے لیے چار شادیوں کا دروازہ کھُل جائے گا ۔ مغرب پرست خواتین بھی شریعت بل پر اسی وجہ سے ناراض ہیں ۔ ان خواتین کے اسی غیر صحت مندانہ ردِ عمل کا یہ نتیجہ تھا کہ اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بارے میں دل آزار اور تکلیف دہ پیرایۂ اظہار اختیار کیا تھا ۔ مغرب زدہ خواتین کو شریعت بل پر اعتراض کرنے سے پہلے ایک بنیادی اور اصولی سوال پر واضح موقف اختیار کرنا چاہیے ۔ اور وہ یہ کہ آیا وہ خدا اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عاید کردہ پابندیاں بدل وجان قبول کرتی ہیں یا نہیں ۔ آیا انہیں حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا اُسوہ پسند ہے یا نہیں ۔ اگر انہیں یہ سب قبول ہے تو پھر انہیں مطمئن ہو جانا چاہیئے کہ انہیں وہ تمام حقوق ملیں گے ، جو ایک ماں ، ایک بہن ، ایک بیٹی اور ایک وفا شعار بیوی کے لیے خدا اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیے ہیں ۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان سے یہ حقوق ہرگز نہ چھین سکے گی ۔ لیکن اگر وہ کال گرل اور ایکٹریس بننے کا شوق پورا کرنے یا مخلوط مجالس کو رونق بخشنے یا کسی سرمایہ دار کی پرائیویٹ سیکرٹری بننے کے "حق" کو شریعت سے تسلیم کرانا چاہتی ہیں ۔ تو وہ اس سلسلے میں مایوس ہو جائیں ۔ اُن کے اس حق کو دینِ حق تسلیم نہیں کرتا ، خواہ وہ علماء پر کتنی بھی تبرا بازی کریں ۔

جو لوگ خواتین کو دوسری شادی کا ہوا دکھا کر انہیں شریعت سے بدکانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ وہ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ دوسری شادی کا رواج طبقہ علماء میں زیادہ ہے یا مغرب زدہ گروہ میں ؟ شریف گھرانوں کی خواتین میں طلاق کی شرح زیادہ ہے یا مغرب زدہ خواتین میں ۔ دوسری بیوی بننے کا شوق مغرب زدہ اور آزاد منش خواتین میں زیادہ ہوتا ہے یا دیندار اور خاندانی خواتین میں ۔ ذرا اعداد و شمار کے آئینہ میں اپنی تصویر ملاحظہ کر کے دیکھ لیجیے ۔ خواتین کو علامہ اقبالؒ کی اس نصیحت پر غور کرنا چاہیے ۔

سہ
اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار اُمت بمیرد، تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

شریعت بل پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ اس بل پر کم اور شریعت پر زیادہ ہیں۔ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں میں شریعت کی تعریف پر اتفاق موجود نہیں۔ کہا گیا ہے کہ سنت کا تصور مسلمانوں میں متفق علیہ نہیں۔ اعتراض کیا گیا ہے کہ "اجماع" کو ماخذ شریعت ماننے سے ذہنی جمود پیدا ہوگا۔ اور اجتہاد کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور ہمارا حال ماضی کے تابع ہو جائے گا وغیرہ۔ یہ تمام اعتراضات ژولیدہ فکری کی دلیل ہیں۔ اگر میں علمِ طب کے بارے میں کچھ معلومات نہیں رکھتا تو مجھے ماہرینِ طب کے منہ آنے کی حماقت کا ارتکاب نہ کرنا چاہیے۔ مگر ہمارے ملک کے نام نہاد دانشوروں کا یہ کمال ہے کہ شریعت کے علمی اور فنی گوشوں کا کما حقہٗ علم بھی نہیں رکھتے۔ مگر اس کے باوجود ہمہ دانی کا دعویٰ بھی ہے۔۔۔ جب آپ کو اجماع کی حقیقت کا علم ہی نہیں اور آپ نے اہلِ علم سے اس کی حقیقت جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تو پھر آپ کو کس حکیم نے یہ مشورہ دیا ہے کہ آپ ان موضوعات پر قلم اُٹھائیں۔

(باقی)

رسائل و مسائل

حجامت، ربوٰ، غیر مسلم کا خون بہا

جناب ملک غلام علی صاحب

سوال:۔ مشکوٰۃ جلد دوم کے مطالعہ کے دوران مختلف احادیث کے سلسلہ میں کچھ سوالات ذہن میں اُٹھ رہے ہیں اُمید ہے کہ ان کا جواب دے کر مطمئن فرمائیں گے۔

۱۔ باب الکسب و طلب الحلال (کتاب البیوع) میں حدیث ہے کہ حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کُتّے کی قیمت ناپاک ہے، زنا کار عورت کی اُجرت حرام ہے۔ اور سینگی کھینچنے والے کی اجرت ناپاک ہے۔ "الحجام" کا ترجمہ سینگی کھینچنے والا کیا ہے۔ اس سے کیا مُراد ہے؟ آیا جو لوگ دوسروں کے بال بناتے ہیں اُسے حجامت کرنا کہتے ہیں، اُن کی اُجرت حرام ہے یا کوئی اور بات ہے۔

۲۔ باب الربوٰا کی حدیث ہے کہ "عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لشکر کا سامان درست کرنے کا حکم دیا اور جب اُونٹوں کی کمی واقع ہوئی تو فرمایا صدقہ کے اُونٹوں کے بدلے اُدھار لے لو۔ چنانچہ عبداللہ نے ایک اُونٹ کو دو اُونٹوں کے بدلے صدقہ کے اونٹ آجانے کے وعدے پر خرید لیا"۔ تو کیا یہ فعل سود سے مشابہ نہیں ہے۔ سُود میں بھی جب واپسی ہوتی ہے تو بڑھا کر دی جاتی ہے۔ کیا سُود صرف روپے اور اجناس کے معاملے میں ہوتا ہے۔ دیگر معاملے میں نہیں ہوتا۔

۳۔ باب الدیات کی دوسری فصل میں ابوداوُد کی روایت کردہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ "کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔ اور کافر کے قتل کا خون بہا مسلمان کے خون بہا کے نصف ہے"۔

اسلام کا اصول تو یہ ہے کہ خون کا بدلہ خون لیکن یہاں تو صریحاً نا انصافی کی جارہی ہے۔ ایک تو قصاص نہ دینے کے لیے کہا گیا اور دوسرے دیت بھی نصف "۔ آخر کیوں؟ جبکہ کافر بھی انسان ہوتے ہیں۔ قصاص اور دیت تو انسانی جان کا بدلہ اور معاوضہ ہے۔ کسی مسلمان یا غیر مسلم کا نہیں۔

جواب:۔ آپ کے سوالات کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتاب البیوع، مشکوٰۃ میں جہاں حجام کا لفظ حدیث میں آیا ہے، اس کا ترجمہ سینگی کھینچنے والا درست کیا گیا ہے۔ حجام کا لفظ آج کل تو نائی (باربر) کے لیے مستعمل ہے، لیکن عربی قدیم اور لغتِ حدیث میں حجامت سے مراد ایک خاص پیشہ وارانہ عمل تھا۔ جس میں سینگی کے ذریعے حجام جسم کے کسی فاسد مواد یا خون کو خارج کر دیتا تھا۔ اس عمل کو حجامت کا پیشہ کہا جاتا تھا۔ اور پیشہ ور کو حجام کا نام دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ خط بناتے، بال تراشنے کا کام بھی کر لیتے تھے۔ اس فعل کے بطور اختیار کرنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے کیونکہ بعض روایات سے اس کے جواز کا بھی استدلال کیا گیا ہے۔ لیکن یہ پیشہ چونکہ اب معدوم ہو چکا ہے، اس لیے اس پر زیادہ بحث غیر ضروری ہے۔ بہر کیف اس کا اطلاق موجودہ حجامت کے پیشے پر نہیں ہوتا۔

۲۔ آپ نے جس حدیث کو باب الربوٰا میں پڑھ کر اپنا اشکال پیش کیا ہے، میں ترجمان القرآن اگست ۱۹۶۳ء، جلد ۶۰ عدد ۵ کے رسائل و مسائل میں اس پر "جوازِ سود" کے حق میں ایک روایت سے غلط استدلال" کے زیرِ عنوان بحث کر چکا ہوں، پورے جواب کو دوبارہ دہرانا اور نقل کرنا مشکل ہے۔ اگر آپ کو ترجمان دستیاب نہ ہو، تو پھر مجبوراً وہ جواب آپ کو نقل کرا کے ارسال کر دوں گا۔ اس حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی بصراحت اجازت دی تھی کہ ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ دیئے جائیں گے یا آپ کے علم میں یہ بات آئی اور آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اس کے بالمقابل حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جانور کے بدلے جانور اُدھار بیچا جائے۔ اس میں دو جانوروں کا بھی ذکر نہیں بلکہ نہی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً کے الفاظ وارد ہیں۔

۳۔ سنن ابن داؤد باب الدیات کے حوالے سے آپ نے جس حدیث کا ذکر (باقی بر صفحہ ۵۶)

مطبوعات

جامِ سفال | از قلم محمد ابن الحسن سید - ناشر: یوسف اختر - ملنے کا پتہ: قوس کمیونیکیشنز، میاں چیمبرز - ٹمپل روڈ، لاہور - کاغذ نفیس، طباعت اصلی آفسٹ، جلد مضبوط، سرورق سادہ (بس گویا جامِ سفال) - اس دلہن جیسی کتاب کی قیمت صرف ۳۰/- روپے -

یہ کتاب ہاتھوں میں آئی اور چار سطریں پڑھیں تو وہ کیف و سرور ملا جو کبھی کبھار خود کوئی اچھی چیز لکھ کر ملتا ہے - باتیں ادبی اور باتوں کا مرکز وہ جو جانِ ادب ہے، جس کے شعور کے بغیر ادب پیدا ہی نہیں ہوتا - وہ پہلا ادیب، پہلا مصنّف، پہلا تخلیق کار - ہم جو ادب پڑھتے ہیں اس پر کبھی جنس سوار ہوتی ہے، کبھی دولت سوار ہوتی ہے، کبھی "میں" سوار ہوتی ہے اور مدّعا حاصل ہوتا ہے محض تفریح! اور تفریح بھی بالآخر ایسی نکلتی ہے جیسے اُسے مروڑ لگے ہوتے ہوں - اس گندے سمندر میں یہ کتاب ایک جزیرہ سکون بن کر نمودار ہوئی -

کمال ہے کہ ادب بھی پورے زور کا ہے، لفظ لفظ کشش دار، ساتھ ہی یہ خوبی کہ "ہم نے جو باتیں بھی چھیڑیں کبھی احباب کے ساتھ —— پھر پھرا کر وہ اسی دردِ نہاں تک پہنچیں" - دل و جان فدا اُس "دردِ نہاں" پر جس میں محمد ابن الحسن اور ان کے کئی ہوا خواہ شریک ہیں -

ترجمان کے صفحات میں تبصرے بہت ہی مختصر ہوتے ہیں - خصوصاً ادبی و شعری کتب کا تو حق کیا ادا ہوگا، تلغرافی طرز کے چند کلمات کا اجمال باعثِ توہین ہی ہوتا ہوگا - مگر مجبوری!

معذرت کے ساتھ مصنف کے چند جملے:-

—— ڈھاکہ سے مجھے ۱۹۷۱ء کے ہنگاموں کے دوران ایک صاحب نے جن کا مکان بلوائیوں نے لوٹ لیا تھا، اپنے نقصانات کے متعلق لکھا تو اُن کے خط میں ایک جملہ یہ بھی تھا:

"اِن چیزوں کے علاوہ میری بیٹی کے اسّی جوڑے جوتے بھی تھے، انہیں بھی لٹیروں نے نہیں چھوڑا"-

—— مال وزر کی محبت سے حرص بڑھ جاتی ہے، زندگی کی حرص بڑھ جائے تو دل سخت ہو جاتے ہیں، دل سخت ہو جائے تو اس میں روشنی کا گذر نہیں ہوتا۔ اُسے تم اَنا کی کھائی سے بھی تعبیر کر سکتے ہو۔ جو لوگ اَنا کی کھائی میں گر جاتے ہیں، ان کی نگاہیں کھائی کی دیوار سے ٹکرا کر بار بار اپنی جانب ہی لوٹتی ہیں۔

—— مستقل گھر کسے کہتے ہیں؟ کیا بیسویں صدی ہم جیسے جلا وطنوں کے لیے گورستان کے معنوں میں مستقل گھر بن جائے گی؟

—— میں سوچتا ہوں، پہاڑوں کی فصیلیں (افغانستان کے حوالے سے) ٹیکنالوجی کا راستہ نہ روک سکیں تو کیا ہوا، ہم جسموں کی فصیل بنا سکتے ہیں۔ قربانی تو بہر حال دینی ہے، وہ چاہے آزادی کے لیے جان کی ہو یا جان کے لیے آزادی کی؟

—— ممتاز صوفی بزرگ شرف الدین یحییٰ منیری مکتوباتِ صدی میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: "توحید کائنات کی تجرید ہے"۔ بلاشبہ ایسا ہی ہے اور اعلیٰ شاعری اس تجرید کی زبان ہے۔ جو شاعری توحید کے ذیل میں نہیں آتی وہ میری دانست میں سراسر ہنگامی خارش زدگی ہے۔

افسوس کہ صفحات اور کاتب کی اجازت سے تجاوز کے باوجود بات بنی نہیں۔ کچھ کہہ نہیں سکا۔ اتنا ہی کہتا ہوں کہ مادہ پرستی کے خوفناک سرطان سے بچے ہوئے لوگو، اسے پڑھو! نوجوانو! اسے پڑھو! ادیبو! اسے پڑھو۔

ZIONISM AND INTERNAL SECURITY مولفہ ڈاکٹر غلام فرید بھٹی - ناشر: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۳-ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔ قیمت درج نہیں۔

صہیونیت نے یہودیوں کو اپنے چنگل میں لینے کے بعد پوری دنیا، خصوصاً مسلمانوں کے لیے خونخوار شکاریوں کا ایک جتھا بنا دیا ہے۔ خدا نے ڈھیل دی کہ یہ قومِ "مغضوب علیہم" سرمائے، پروپیگنڈے، ثقافتی تفریحات، منشیات، سیاسی اثر و نفوذ، ملک ملک میں جاسوسی اور نت نئی سازشوں کے ذریعے کرۂ ارض کو امن و عدل سے محروم رکھ کر اپنے لیے کامیابی کی راہیں نکالے۔ صہیونیت کے اتنے وسیع گھن چکر کا نقشہ بھٹی صاحب نے صحیح مآخذ سے حاصل کر کے ملخصاً پیش کر دیا ہے۔ پوری دنیا میں خصوصاً

مسلم ممالک میں یہودی لابی مذہبی ، سیاسی ، علمی اور ثقافتی دائروں میں بری طرح خلل انداز ہے مگر ہمارے بھولے مسلمان بادشاہوں" کا یہ حال ہے کہ وہ ع ۔ " انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں ، دماغ میرا ہے بات اُن کی" ہمارے لوگوں نے خود ہی مذہب کے خلاف محاذ بنا رکھا ہے ، خود ہی ادنیٰ سیاسی نزاعات پیدا کر رکھی ہیں ۔ خود ہی درآمد کا بوجھ بڑھاتے ہیں اور عالمی قرضوں کے جالوں کے حلقے اپنے اوپر کستے جاتے ہیں ۔ صہیونی اولین زور اسلامی محاذ کو تباہ کرنے پر صرف کرتے ہیں تاکہ مقابلہ کرنے والی اہم ترین فورس ختم ہو جائے ، مگر یہاں حال یہ ہے کہ عبرت کی آنکھ کھلتی ہی نہیں ۔

ROHINGYA MUSLIM مرسلہ محمد اقبال ۔ پبلسٹی اینڈ انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ ، روہنگیا سولیڈیریٹی آرگنائزیشن ۔ اراکان ۔ برما ۔

اس وقت جن خطوں میں مسلمان انتہائی مظلوم اور پریشان حال ہیں ۔ ان میں سے ایک برما ہے ۔ اس انگریزی پمفلٹ میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو نسل پرستوں اور اہلِ تفریق و تعصب کے مظالم کے تحت ارتداد قبول کرنا پڑتا ہے یا مکمل خاتمہ ۔

چند مطبوعاتِ "ہمدرد" ماہنامہ پیامی ، کراچی ۔ مدیر اُردو ایڈیشن حکیم محمد سعید صاحب ۔ قیمت فی شارہ ۱۰/- روپے سالانہ ۱۰۸/- روپے ۔ پندرہ روزہ اخبار الطب کراچی ۔ چندہ سالانہ ۲۴/- روپے ۔ صدر مجلسِ ادارت حکیم محمد سعید صاحب ۔ بچوں کا ماہنامہ "نونہال" ستمبر کا خاص نمبر ۔ قیمت فی شمارہ ۴/- روپے خاص نمبر ۷/- روپے ۔ چندہ سالانہ ۱۸/- روپے ۔

حکیم محمد سعید صاحب نے جو چشمہ ہائے فیض جاری کر رکھے ہیں سالہا سال سے جانے لوگ کتنے خم و جام روز بھرتے ہیں ۔ کاروبار بہت لوگ کرتے ہیں ۔ مگر اس طرح سے خدمتِ ملت کی نئی نئی راہیں نکالنا "کارِ ہر دیوانہ نیست" ۔ بلکہ یہاں تو سرے سے دیوانے ہی ناپید ہیں ۔ سب فرزانے ہی فرزانے ہیں ۔

"پیامی" بین الاقوامی سطح کا رسالہ ہے ۔ اصل تو یونیسکو کا (COURIER) ہے جس کے تراجم دنیا کی ۲۹ زبانوں میں شائع ہوتے ہیں ۔ اس کا اُردو ایڈیشن حکیم محمد سعید صاحب نے ۱۹۷۷ء میں نکالنا شروع کیا ۔ اس میں سائنسی علوم اور ثقافتی موضوعات پر محققانہ طرز کے مقالات شائع ہوتے ہیں ۔

ستمبر ۱۹۸۶ء کے شمارے میں زمین کی سائنسی کہانی بیان کی گئی ہے۔ رنگین تصویروں سے مندرجات کو واضح کیا گیا ہے۔ یوں تو اسلامی دلچسپی کے متعدد موضوعات پر حکیم صاحب نے خاص نمبر بھی پیش کئے ہیں، مگر وہ ترجمہ ہیں جو عبارت کے بجائے نظر ثانی پس منظر میں ہے، اس کا ازالہ ہونا چاہیے ــــ مادہ پرست مغرب کی سائنس سے خدا، قانونِ خدا، سنت اللہ اور فطرت اللہ کی نمائندہ اصطلاحات نکال دی گئی ہیں، لہٰذا پڑھنے والا بھی اس پہلو سے خالی الذہن ہو کر پڑھتا اور سوچتا ہے۔ کسی طرح یونیسکو کے مشورے سے اس کا ازالہ ہونا چاہیے۔ چاہے یہ کام فٹ نوٹ لگا کر کیا جائے یا ایک ادارتی مضمون میں واضح کیا جائے کہ قرآنی حکمت کسی موضوع کے بارے میں کیا کہتی ہے ـــ یونیسکو ہی سے فنڈ حاصل کر کے اس کی قیمت کم کرانی چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ پانچ روپے فی شمارہ۔ نیز اصطلاحات کی مجبوری کے باوجود زبان بہت آسان ہونی چاہیے۔

اخبار الطب میں امراض و علاج اور طریقِ تشخیص اور دواؤں کی تحقیق و ترکیب کے متعلق تازہ ترین دریافتیں، احوال، تجربات اور خبروں کے ساتھ اہم مضامین اور کالم شائع ہوتے ہیں۔

"نونہال" نے بچوں کی دنیا میں اپنا ایک خاص مقام پیدا کر لیا ہے اور اس کے خاص نمبروں کو تو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ بچوں کے لیے رنگا رنگ مصوری کہانیاں ہیں نظمیں ہیں، ذہانت کے مقابلوں کا سلسلہ بھی ہے، اقوال اور لطیفے ہیں، طرح طرح کی مفید معلومات ہیں۔ مثلاً معلوماتِ عامہ (ص ۱۸۲) یا نہایت مفید مضمون "سیاروں کی دنیا" (ص ۱۴۳) جدید طرز کی ایک کہانی "زیرِ زمین سفر" (ص ۱۸۵) اور نمبر کی سب سے دلچسپ چیز حکیم سعید صاحب کی بچپن کی خود نوشت کہانی ہے۔ آنجناب "موت کے گولے" میں بھی موٹر سائیکل چلاتے رہے ہیں۔ اب بن بیٹھے ہیں حکیم اور دانش ور اور خادمِ ملت!

ہم ان تمام چیزوں کو محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ تعمیرِ حیات، تعمیرِ علم اور تعمیرِ کردار میں معاون ہیں۔

پیارے حضورؐ مؤلف و مرتب جناب صابر قرنی - ناشر: حسنات اکیڈمی، منصورہ، لاہور۔
صفحات: ۳۵۰ - قیمت: درج نہیں جاسکی۔

مدیر الحسنات صابر قرنی صاحب ہمیشہ دین کی صداقتوں کو پھیلانے کی فکر میں رہتے ہیں خصوصاً انہیں بچوں کے لیے اچھا دینی لٹریچر مہیا کرنے کا خاص ذوق ہے۔ ان کی کتاب "پیارے حضورؐ" اسی ذوق کی آئینہ دار ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ ۱۹۷۴ء میں چھپا تھا۔ اب دو حصے یکجا ۱۹۸۶ء میں شائع ہوگئے ہیں۔ پہلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح اور اخلاقِ حسنہ پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں بچوں کے ذہنی معیار کو سامنے رکھ کر اچھے اور برے اخلاق کی تعلیم و تلقین، احکام اور واقعاتی مثالوں کے ساتھ کی گئی۔

اب یہ مجموعہ بچوں، کم خواندہ عوام، خواتین اور نوخیز طالبات کے لیے ایک شاندار چیز بن گیا ہے۔ خود خریدیئے اور خاندان اور حلقۂ احباب کے بچوں تک بطور تحفہ پہنچایئے۔

(بقیہ رسائل و مسائل)

کیا ہے اس کا لفظی ترجمہ بلاشبہ یہی ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اور کافر کے قتل کا خون بہا مسلمان سے نصف ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کی تحقیق پر مبنی صحیح تر مسلک یہ ہے کہ اس میں وہ کافر مراد نہیں جو ایک اسلامی ریاست کا شہری (بطور ذمی معاہد) ہے یا مستامن ہے، یعنی اجازت لے کر دارالاسلام میں داخل ہوا ہے اور عارضی طور پر مقیم ہے۔ اہل ذمہ معاہدین یا مستامنین جو غیر مسلم ہیں وہ قصاص و دیت کے معاملے میں مسلمانوں کے بالکل مساوی ہیں۔ میرے نزدیک یہی مسلک کتاب و سنت سے قریب تر ہے اور ہمارے ملک کی اکثریت بھی چونکہ حنفی مسلک کی پیرو ہے اس لیے قانون ملکی اس کے مطابق ہوگا۔

مسافرانِ عدم

کی

درخشاں زندگیاں ○ روشن راستے

○ اسلامی تحریک زندگی کی ظلمات کو روشن کرتی ہے۔
○ اسلامی تحریک کے علمبردار لوگ تاریخ کے راست رو مسافر ہوتے ہیں۔
○ ایسے مسافروں کی زندگیاں روشن ستاروں کی مانند ہوتی ہیں۔
○ بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے رہنمائی کا سامان
○ ہر زندگی، ایک پیغامِ زندگی
○ نمونے کی ان زندگیوں میں صالح زندگی کے بے شمار نمونے
○ سُست رو مسافروں کے لیے تیز روی اور تیز گامی کا پیغام

پیغامِ زندگی کی حامل کتاب:

مُسافرانِ عدم

تحریکِ اسلامی کے مرحوم رہنماؤں کی زندگیوں کے تحریکی خاکے جن میں ان کی تحریکی زندگی کا نچوڑ آگیا ہے۔

اسعد گیلانی کے جذبہ انگیز قلم سے

صفحات ۵۰۰ ○ سائز ۳۶ × ۲۳ / ۱۶ ○ زیرِ طبع

چند نام درج ذیل ہیں

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
مولانا مسعود عالم ندوی
چودھری علی احمد خاں
چودھری غلام محمد
مولانا جان محمد بھٹو
خان سردار علی خان
نصر اللہ خان عزیز
مولانا عبدالعزیز
خان محمد باقر خان
صدیق الحسن گیلانی
ڈاکٹر نذیر احمد شہید
الٰہ بخش شہید
حمیدہ بیگم
عبدالمالک شہید

**

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور